توحید و ختمِ نبوت کا علمبردار ★ فکرِ احرار کا ترجمان

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

مئی 1990ء

مجددِ اعظمؒ کے حضور!

مولانا...

بارگاہِ امیر المومنین امامِ امت سیاست پانیگاہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

یومِ شہادت ۔ ۶ مئی ۱۸۳۱ء (بالاکوٹ)

آج پھر تیری یادِ کہن کے حسیں نقش فریاد بن کے ابھرنے لگے
آج پھر تیرے خاموش نغمات کی لے پہ سرمست غازی بپھرنے لگے
آج پھر تیری مظلومیوں کی کسک جذبۂ انتقام آفریں بن گئی
تیرا پاکیزہ خوں جب ہوا گل فشاں یہ زمیں گلشنِ احمریں بن گئی
تیرے خونِ مطہر کی تعطیر سے آج تک ارضِ سرحد ہے عنبر فشاں
تیرے جسمِ مقدس کی تنویر سے چرخِ مشہد ہے اب تک ستارہ چکاں
تیرے ذکرِ حسیں کا دیا کر کے روشن، ترے پاس فریاد لایا ہوں میں
دین و قرآنِ مہجور کی بے کسی کی، جگر دوز روداد لایا ہوں میں
وہ جو مسجد میں اور خانقاہوں میں ہیں آ کے پھر ان میں روحِ عمل پھونک دے
آ کے گم کردہ راہوں کا بن رہنما تشنگی کو مٹا جامِ تسکین سے
پھر سے پندارِ باطل ملا خاک میں پھر قیادت کا آ کے علم چھین لے
پھر قیادت امامت کی تجسیم بن پھر خلافت کو شاہی پہ تمکین دے

نتیجہ فکر: جانشینِ امیرِ شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدظلہٗ

مقبوضہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے؟

بابری مسجد کے شیعہ مالکوں سے

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا علمی و تخلیقی اسلوبِ نثر

سیدنا ولید بن عقبہؓ گورنر کوفہ

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ — شعبۂ تبلیغ — عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

عزمِ نو

عزیزو! عمر کم اور کام زیادہ ہے۔ آؤ نئے عزم سے اٹھیں عورتوں کی طرح اسلام کے لئے آہیں بھرنے سے کیا فائدہ؟

مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ اللہ میدان محاربہ میں اس کا منتظر ہے۔ آوارہ مزاج بچے کی طرح ہم بھٹکتے کہاں پھر رہے ہیں؟ آؤ آج نئی زندگی بسر کرنے کا عہد کرو! اور مرنے سے پہلے کوئی خدمت انجام دے کر جاؤ۔ اللہ ہمارا حامی اور مددگار ہو۔ (آمین)

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرت احرار میں ہے دوش بدوش
قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
(اقبال)

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمتہ اللہ علیہ
خطبۂ صدارت آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس
پشاور - ۱۹ اپریل ۱۹۳۹ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّۃ ملتان

رئیس التحریر:
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر:
سید محمد کفیل بخاری

شوال ۱۴۱۰ھ مئی ۱۹۹۰ء جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۵

سرپرست اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
مولانا محمد عبداللہ مدظلہ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ
مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

رفقاءِ فکر

سید عطاء المؤمن بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری
سید خالد مسعود گیلانی
سید عبدالکبیر بخاری
عبداللطیف خالد ○ محمد جنجوا
سید محمد ذوالکفل بخاری
عمر فاروق عمر ○ محمود شاہد
قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

زرِ معاونت اندرونِ ملک، بیرونِ ملک

فی پرچہ :	۵/- روپے
زرِ سالانہ :	۵۰/- روپے

سعودی عرب، عرب امارات
مسقط، بحرین، عراق، ایران
مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا

امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا
جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ

سالانہ ۳۰۰/- روپے

پبلشر: سید محمد کفیل بخاری۔ پرنٹر: تشکیل احمد اختر۔ مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، پرانی غلہ منڈی ملتان۔ مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان

آئینہ

دل کی بات	مدیر	۳
مقبوضہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے ؟	مولانا محمد اسحق صدیقی	۴
نعت شریف	عاصی کرنالی	۱۰
محفل احرار میں آ (نظم)	اختر شیرانی مرحوم	۱۱
نوائے حریت، کشمیر چلو (نظمیں)	ڈاکٹر محمد دین تاثیر مرحوم	۱۲
بابری مسجد کے شیعہ مالکوں سے گفتگو	ادارہ	۱۳
ماضی کے جھروکے سے	محترم محمد حسن چغتائی	۱۵
آئمہ تجوید	مولانا عبدالحق چوہان	۱۸
مولانا آزاد کا علمی وتخلیقی اسلوب نثر	ابوالکلام قاسمی	۲۲
عاشق حسین بٹالوی کی یاد میں	خادم حسین	۳۱
سیدنا ولید بن عقبہ رض	حکیم محمود احمد ظفر	۴۰
چشمہ سرچشمہ	ابواسامہ	۵۳
محسن احرار	ادارہ	۵۴
زبان میری ہے بات اُن کی	خادم حسین	۵۹
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت	شیخ حبیب الرحمن بٹالوی	۶۳
صحابہ کرام نگہبان شریعت ہیں	سید عطاء المحسن بخاری	۶۵
چالیسواں	راجہ مہدی علی خان	۷۲

دل کی بات

بحالیٔ جمہوریت کے بعد پاکستان کے پرامن اور نہتے شہریوں کو جو تحفے ملے ہیں ان میں بموں کے دھماکے، کلاشنکوف، ڈاکے اور قتل و غارت گری سرفہرست ہیں۔ سندھ کے بعد اب پنجاب کو بھی نہ جانے کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ حال ہی میں "تیز گام" کو لاہور میں بم سے اڑانے کی وحشیانہ تخریب کاری سے کئی بے گناہ انسان جان ہار گئے۔ بچوں کی معصوم چیخیں، سسکیاں اور انسانی گوشت کے چیتھڑے فضاؤں میں بلند ہوئے مگر آہ! یہ سب صدائیں ظالموں، سفاکوں اور قاتلوں کے آوارہ قہقہوں اور مفاد پرست سیاست دانوں کی منافقت آمیز مصلحتوں میں گم کر دی گئیں۔ یہ ظلم کون ڈھا رہا ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ان سوالوں کے جواب حکومت کو بھی معلوم ہیں اور سیاست دان بھی جانتے ہیں۔ وہ اس کا سبب افغان پالیسی قرار دیں یا مسئلہ کشمیر، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اصل مجرم ہمارے اندر موجود ہیں۔ وہ اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ مقتدر بھی ان کے حلیف دکھائی دیتے ہیں۔ خوشنما چہروں کے روپ میں ظالم، لٹیرے اور بھیڑئیے ہم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ گیارہ سالہ آمریت کا پروپیگنڈہ کرنے والوں کے جمہوری دور میں عوام کو بم دھماکوں، کلاشنکوف اور علماء کے قتل کے سوا کچھ نہیں ملا۔ غیر ملکی دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے خصوصاً امریکہ اور ایران کے اثر و نفوذ نے ملک کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ حکمرانو! سیاست دانو! خدارا ملک کے حال پر رحم کرو اور اپنے اقتدار کی جنگ میں بے گناہ عوام پر ظلم نہ کرو۔

عوام کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جس سے ملکی شہریوں کی زندگی محفوظ ہو سکے۔ خصوصاً ذرائع نقل و حمل پر چیک سخت کر دینا چاہئیے، اگر حکومت عوام کے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتی تو اسے اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ایوان سے واپس آ جانا چاہئیے۔ بلاشبہ موجودہ صورت حال ملک کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل رہی ہے۔

گذشتہ دنوں رافضی لیڈر ساجد نقوی نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ "مولانا حق نواز جھنگوی کا قتل بین الاقوامی سازش ہے۔" یہ بیان پاکستان کے پچانوے فیصد سنی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ پاکستان کے رافضی لیڈر ان بھارتوں اور سازشوں میں حق نواز شہید کا خون نہیں دبا سکتے۔ مومنین اہلسنت اس سے بخوبی واقف ہیں کہ حق نواز جھنگوی کا قتل یہودان خیبر اور خیشان عجم کی تیرہ سو سالہ سازشی تاریخ کا ایک تسلسل ہے۔ ہم اس یقین کے ساتھ جدوجہد کر رہے ہیں کہ یہ "خون حق" انقلاب لائے گا، رائیگاں نہ جائے گا۔ یہاں اصحاب رسول علیہم السلام کا نام گونجے گا۔ مومنین اہلسنت حالات و واقعات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ رافضی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت علامہ محمد شریف کشمیریؒ بھی رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے معروف تلامذہ کی آخری کڑی تھے۔ برصغیر کی عظیم اسلامی یونیورسٹی "دارالعلوم دیوبند" میں چھ برس درس حدیث دیا۔ قیام پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان سے منسلک ہوگئے۔ یہاں چالیس برس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس میں مصروف رہے۔ آپ کے اکلوتے فرزند حضرت مولانا محمد مسعود کشمیری دو برس قبل جہاد افغانستان میں شہید ہوئے۔ حضرت علامہ مرحوم علم، تقویٰ اور اتباع نبوی کی عملی تصویر تھے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد علماء دنیا کے مختلف ملکوں میں دین کی تبلیغ اور تدریس میں مشغول ہیں۔ آپ کی دینی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ کی وفات سے دینی و علمی حلقوں میں بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی دینی خدمات و حسنات قبول فرما کر انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مفکر اسلام حضرت مفتی محمد اسحق صدیقی سندیلوی کے قلم سے

مقبوضہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے...؟

کشمیر، مسلمانوں کا خطہ ہے۔ جموں سے قطع نظر کیجئے تو اس سرزمین پر تقریباً سو فی صد مسلمان آباد ہیں۔ غیر مسلم خال خال نظر آتے ہیں۔ جموں میں بھی مسلمانوں کی آبادی خاصی بڑی ہے۔ ہندوؤں کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہیں ہے۔ جب برصغیر تقسیم ہوا تو طبعی طور پر، کشمیر کے مسلمان، پاکستان کے ساتھ الحاق کے خواہاں تھے اور اسی وقت ان کی مراد پوری ہو گئی ہوتی لیکن حکومت پاکستان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے اس میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ کشمیر کے دو حصے ہو گئے۔ ایک حصہ آزاد کشمیر ہے جو پاکستان کی حفاظت میں، داخلی طور پر آزادی سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ دوسرا حصہ حکومت ہند کی حفاظت میں ہے اور از روئے دستورِ ہند و قرارداد اقوام متحدہ، داخلی طور پر آزاد ہے۔ لیکن عملاً اسے اتنی آزادی نہیں حاصل ہے جتنی آزاد کشمیر کو حاصل ہے تاہم اصولاً وہ آزاد ہے۔ اقوام متحدہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ کشمیر کے ان دونوں حصوں کو متحد بھی ہونا ہے اور پاکستان یا ہندوستان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنا الحاق بھی کرنا ہے۔ اقوام متحدہ نے یہ بات بھی طے کر دی تھی کہ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ خود اہل کشمیر کے ہاتھ میں ہے۔ استصواب رائے عامہ کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے گی اور ان کی اکثریت، دونوں میں سے جس ملک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرے گی، اسی سے اس کا الحاق کر دیا جائے گا۔ اقوام متحدہ کی اس تجویز کو فریقین یعنی پاکستان اور بھارت، دونوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن ایک مدت کے بعد ہندوستان اپنے عہد سے پھر گیا اور اس نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ اور اس کا ایک حصہ کہنا شروع کر دیا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کشمیر کے مسلمان آزادی کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ دہشت گردی، بم اور کلاشنکوف سے کام لے کر حکومت ہند پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ کشمیر کو آزاد کر دے۔ عام مسلمانان کشمیر بھی جلوسوں، جلسوں اور ہڑتالوں کے ذریعہ سے احتجاج کر رہے ہیں۔ یہ سب مظاہرے پرامن ہوتے ہیں اور عوام اہل اسلام نہتے ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل روشن ہے کہ جمہور اہل کشمیر، تشدد سے قطعاً کام نہیں لینا چاہتے۔ تشدد سے کام لینے والا صرف ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو دہشت گردی کے ذریعہ اپنا مطالبہ منوانا چاہتا ہے۔ اس گروہ میں کون لوگ شامل ہیں؟ اس کے جواب سے جس طرح ہم آپ قاصر ہیں اسی طرح جمہور مسلمانان کشمیر بھی قاصر ہیں۔ پاکستانیوں کی طرح انہیں بھی کچھ خبر نہیں کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے؟ کشمیری ہیں یا کسی دوسرے ملک کے؟ ان کا مذہب کیا ہے؟ اسلام ہے یا کچھ اور؟

ان دہشت گردوں کی طرف سے تو صرف یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ کشمیر کو کامل آزادی دو۔ یہ مطالبہ صاف صاف کیا گیا ہے اور ابتداء ہی سے سننے میں آ رہا ہے۔ جمہور مسلمانان کشمیر کا کیا مطالبہ ہے؟ اس کے متعلق شروع میں کچھ ابہام رہا۔ پہلے یہ خبریں آئیں کہ وہ حکومت ہند سے استصواب رائے کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ کشمیر

پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرسکے۔ گول مول انداز میں کچھ خبریں ایسی بھی آئیں جن کا مطلب یہ نکالا جاسکتا تھا کہ پاکستان سے فوری الحاق کا مطالبہ کیا گیا ہے اور استصواب رائے کو بے ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے بعد یہ خبر ملی کہ موضوع بحث یکسر بدل گیا ہے اور دہشت گردوں کی طرح، جمہور اہل کشمیر اور ان کی سب سیاسی جماعتوں کا متفقہ مطالبہ آزادیٔ کشمیر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہند یا پاکستان، کسی سے بھی الحاق نہیں پسند کرتے، بلکہ ایک آزاد "کشمیر اسٹیٹ" بنانا چاہتے ہیں اور یہی ان کا مطالبہ ہے۔۔ ۲۶ مارچ ۱۹۹۰ء کے انگریزی روزنامہ "ڈان" کراچی میں ایک کشمیری لیڈر امان اللہ خان صاحب کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ "ہم معاہدۂ شملہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور نہ استصواب رائے کو مناسب جانتے ہیں۔ ہم تو کامل آزادی چاہتے ہیں۔" امان اللہ خان صاحب کون ہیں اور اہل کشمیر کے لیڈروں میں ان کا کیا درجہ ہے؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن یہ بیان کسی کا بھی ہو، اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کشمیر میں اب دہشت گردوں کی طرح، جمہور اہل کشمیر کا نعرہ بھی آزادیٔ کشمیر ہے، پاکستان سے الحاق یا استصواب رائے کے مطالبوں کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی اور اب ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔

ان مطالبوں کا جواب حکومت ہند نے تیغ و تفنگ کی زبان سے دیا ہے۔ مسلمانان کشمیر اس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ان پر حکومت ہند کی طرف سے سخت تشدد ہو رہا ہے اور ظلم و ستم ڈھائے جارہے ہیں۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ "آزادیٔ کشمیر" "اسلامی نظام" اور "جہاد" کا نعرہ لگانے والے دہشت گرد بھی عام مسلمانان کشمیر کے سینے گولیوں سے چھلنی کر رہے ہیں اور بم پھینک پھینک کر انہیں تباہ کر رہے ہیں۔ بقول خود یہ "حریت پسند" "حزب الاسلام" اور "گروہ مجاہدین" کشمیر کے مسلمانوں کے لئے ایک بلا اور مصیبت بنا ہوا ہے اور وہاں کے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہا ہے۔ یہ امر بہت قابل لحاظ ہے کہ یہ مقتولین سب سنی ہوتے ہیں۔ آج تک کسی شیعہ کو ان نام نہاد "مجاہدین" نے قتل نہیں کیا۔ اہل سنت کے قتل، کے یہ لوگ ایسے حریص ہیں کہ موقع ملنے پر عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ عورتوں اور بچوں کے قتل کے کئی واقعات ہوچکے ہیں۔ اہل سنت کی اہم شخصیتوں اور ذی اثر اور صاحب رائے اشخاص کو قتل کر دینا یا نقصان پہنچانا بھی ان نام نہاد "مجاہدین" کے پروگرام کا اہم حصہ ہے۔ مفتی محمد سعید صاحب ہوم منسٹر حکومت ہند، کی بیٹی کو اغوا کیا گیا اور اسے یرغمال بنا کر اپنے تین ساتھیوں کی رہائی کے عوض میں رہا کیا گیا۔ اسے رہا کرنیکے بعد وزیر موصوف کے مکان واقع کشمیر میں آگ لگائی گئی۔ ان کے خاندان کی خواتین اور ان کے اعزہ و اقارب کو قتل و اغوا کی دھمکیاں دی گئیں۔ بعض کو زدو کوب کیا گیا۔ ایک ذی اثر اور سمجھ دار سنی، محمد مصطفٰی (مرحوم) کو اغوا کر کے انہیں شہید کر دیا گیا۔ موصوف بہت اچھے قانون دان تھے اور مسلمانان کشمیر کی رہنمائی اور ملت اسلامیہ کی خدمت کرتے تھے۔ ۱۶ اپریل (۹۰ء) کو یہ خبر ملی کہ بقول خود "حریت پسندوں" نے کشمیری مسلمانوں کی تین اہم شخصیتوں کو اغوا کر کے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ پہلے انہیں قید کر کے سخت اذیتیں پہنچاتے رہے پھر شہید کر دیا۔ تینوں سنی تھے اور مسلمانان کشمیر کی ترقی کے خواہاں تھے اور اہم قومی خدمتیں انجام دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک ممتاز شخص، مولانا ڈاکٹر مشیر الحق ندوی (مرحوم) تھے۔ یہ بہت ذہین اور فاضل شخص تھے۔ ندوہ کے فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ اس کے ساتھ جدید عصری تعلیم بھی حاصل کی تھی اور اس میں بھی

ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ ان کا شمار بھارت میں وقت کے مشاہیر علما و فضلا میں ہوتا تھا بلکہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں بھی اپنے علم و قابلیت و ذہانت کے لئے شہرت رکھتے تھے۔ راقم السطور کے شاگرد تھے اس لئے میں ان سے خوب واقف ہوں۔ وہ صالح، ذہین، ذی اثر اور صاحب رائے تھے۔ انہیں تو رتبہ شہادت حاصل ہوا لیکن قوم کو نقصان پہنچ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

ہمارے ملک " پاکستان " کے بہت سے لیڈر اور صحافی جو، ان دہشت گردوں کی مدح و ستائش میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، ذرا یہ تو فرمائیں کہ یہ کس قسم کا جہاد ہے؟ جس میں بے گناہ مسلمانوں کے گلے کاٹے جائیں۔ ان کی عورتوں کا اغوا کیا جائے۔ ان کے گھر پھونکے جائیں۔ گزرگاہوں اور لوگوں کے اکٹھا ہونے کے مقامات میں بم چھپا کر، ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو قتل و مجروح کیا جائے؟ کیا اسی کا نام "جہاد" ہے؟ کیا یہی نام نہاد " حزب الاسلام " " حریت پسندوں " کے بقول " اسلامی نظام " کی پہلی منزل ہے؟ یہ ظالم دہشت گرد، سنیان کشمیر کو خود بھی قتل کرتے ہیں اور بھارتی فوج کے ہاتھوں بھی قتل کرواتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں کہ ان دہشت گردوں نے عوام مسلمانان کشمیر کے پرامن مجمع کی آڑ لے کر اور ان کی پشت کی طرف پہنچ کر، بھارتی فوج پر فائرنگ شروع کر دی جس کے جواب میں بھارتی فوج نے بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کے پرامن اور نہتے مجمع پر گولیاں برسائیں۔ جس سے سیکڑوں مسلمان مقتول و مجروح ہوئے اور یہ نام نہاد " حریت پسند " بالکل محفوظ رہے کیونکہ یہ مجمع کی آڑ میں تھے۔ یہ گروہ مسلمانوں کے قتل اور ان کی تباہی کا سامان کر کے وہاں سے چلتا ہوا۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سکھ بھی اس دہشت گردی میں شریک ہیں۔ بھارتی پنجاب کے دہشت گرد سکھوں نے کشمیر کی اس نام نہاد تحریک آزادی کی تائید کی ہے۔ کشمیر کے بعض عوامی جلوسوں میں بھی سکھوں نے کھلم کھلا شرکت کی۔ کیا کوئی سمجھ دار مسلمان یہ یقین کر سکتا ہے کہ سکھ، اسلامی نظام قائم کرنے کی تائید کریں گے؟ اور اسے قائم کرنے میں اعانت کریں گے؟ یا کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ پسند کریں گے؟ یہ نام نہاد " مجاہد " اپنے ظالمانہ کرتوتوں سے جہاد اور اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

کشمیر کے مسلمان ان دہشت گردوں سے سخت بیزار اور متنفر ہیں۔ لیکن ان ظالموں نے ایسی دہشت پھیلا رکھی ہے جس کی وجہ سے کوئی ان کے خلاف لب کشائی کرنے کی جراُت نہیں کرتا۔ سمجھ دار اہل سنت میں سے جس نے ان کی حقیقت ظاہر کی اور عوام کو ان کے فریب سے آگاہ کرنے کی جراُت کی، اسے انہوں نے اغوا کر لیا یا قتل کر دیا۔ انہوں نے اسی طرح دہشت پھیلا دی ہے جس طرح چند صدی پیشتر، اسمٰعیلی شیعوں کے ایک گروہ نے پوری دنیائے اسلام میں پھیلا دی تھی۔ یہ گروہ تاریخ میں " حشیشین " کے نام سے مشہور ہے جس کا بانی مشہور دشمن اسلام حسن بن صباح تھا..... " نیوز ویک " کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ اننت ناگ اور سری نگر میں لوگ ہندوستان سے درآمد کی ہوئی گھڑیاں بھی کلائی پر لگا کر باہر نہیں نکل سکتے۔ گھڑی کو لوکل ٹائم کے حساب سے چلا بھی نہیں سکتے بلکہ پاکستانی وقت کے حساب سے چلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پولیس والے بھی اس کی جراُت نہیں کر سکتے کیونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی "حریت پسند" دیکھ لے گا تو گھڑی چھین لے جائے گا یا اسے توڑ کر پھینک دے گا۔ ہفتہ وار " اذان " لکھنؤ (یو۔پی، بھارت) مورخہ ۱۶ مارچ (۹۰ء) لکھتا ہے........ "آزادی کے

حامیوں کے ایک جلوس نے نیشنل کانفرنس کے سابق صوبائی صدر عبدالسلام دیوا، کے مکان پر بم مارا، نیشنل کانفرنس کے ایک ممبر کے گھر پر بھی بم پھینکا گیا۔ ایک زبردست دھماکے کی وجہ سے ایک ڈاکٹر کی دکان اور ایک زرعی آفس کو نقصان پہنچا۔ ان حریت پسندوں نے ایک شخص سے ایک لاکھ روپیہ چھین لیا۔" ..... یہ ایک دن کے ایک جلوس کے واقعات ہیں۔ اس قسم کی تباہ کن کارروائیاں یہ دہشت گرد تقریباً ہر روز کرتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانان کشمیر کے لئے جینا دو بھر ہو گیا ہے۔ یہ واقعہ پھر پیش نظر کر لیجئے کہ ان نام نہاد "حریت پسندوں" کے ہاتھوں سے جن لوگوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچتا ہے، وہ سنی ہوتے ہیں۔ کسی شیعہ کو اب تک انہوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

یہ کون ہیں؟

مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کرنے والے بقول خود "حریت پسند" اور "مجاہد" در حقیقت کون ہیں؟ ان کا دین و مذہب کیا ہے؟ اور ان کا مقصد کیا ہے؟ ان کے کردار پر نظر کرنے سے یہ سب باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ ان کا طرز عمل بتا رہا ہے کہ یہ شیعہ ہیں۔ اسی "شیعہ امل ملیشیا" کا ایک حصہ ہیں جس نے لبنان میں فلسطینیوں کا قتل عام کیا تھا اور ان کا آب و دانہ بند کیا تھا۔ جس نے صابرہ اور شتیلا میں سنیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائی تھی اور جس نے مکہ معظمہ میں بزمانۂ حج، بم مار کر بہت سے سنی حجاج کا خون حرم شریف میں بہایا تھا اور جو مختلف اسلامی ممالک میں دہشت گردی کرتی رہتی ہے۔ اسی "شیعہ امل ملیشیا" کا ایک "ونگ" اس وقت مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کر رہا ہے۔ یہ ملیشیا، ایران کے زیر اثر ہے۔ اسے پاکستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے کشمیر کے مسلمانوں یا پاکستان کے ساتھ ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہے۔ اس کا مقصد وحید فساد پیدا کرنا ہے۔ یہ گروہ یہ چاہتا ہے کہ کشمیر میں اقتدار شیعوں کے ہاتھ میں آ جائے۔ ایک سنی کشمیری کو حکومت ہند نے ہندوستان کا ہوم منسٹر مقرر کر دیا، اس واقعہ نے شیعان کشمیر کے دلوں میں آتش حسد بھڑکا دی اور ان کی "امل ملیشیا" نے دہشت گردی شروع کر دی۔ پہلا نشانہ ہوم منسٹر مفتی سعید ہی کو بنایا۔ ان کی لڑکی کو اغوا کیا، اسے یرغمالی بنایا اور اس کی رہائی کے عوض میں اپنے کئی قیدیوں کو رہا کرا لیا۔ مفتی سعید صاحب کے مکان واقع کشمیر میں آگ لگا دی۔ مفتی سعید کی لڑکی کا بیان جو عدالت میں ہوا، اس سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ بعض شیعہ ملازمین حکومت کشمیر اور معاونین وزارت، اغوا کی اس سازش میں شریک تھے۔ نیز یہ کہ وہ دہشت گردوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ ان دہشت گردوں کا دوسرا اور ان کے نزدیک زیادہ اہم مقصد اہل سنت کو تباہ کرنا ہے۔ مسلمانان **کشمیر اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی "آزادی" کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سمندر سے سیکڑوں میل دور، پہاڑوں سے گھری ہوئی یہ وادی، جو اپنی ضروریات میں بھی خود کفیل نہیں ہے اور جو چاروں طرف سے دوسرے ملکوں سے گھری ہوئی ہے، کیا اپنے گرد و پیش سے بالکل منقطع ہو کر، چند روز بھی سر سبز رہ سکتی ہے؟** یا دو دن بھی اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتی ہے۔ مسلمانان مقبوضہ کشمیر، کامل آزادی کے خواہاں نہیں ہو سکتے بلکہ

وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے خواہاں ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہی مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن ان شیعہ دہشت گردوں اور تخریب کاروں نے خود انہیں دہشت زدہ کر کے، زبردستی ان سے آزادی کا نعرہ لگوایا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان کا مقدمہ کمزور ہو جائے اور وہ آئندہ پاکستان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ نہ کر سکیں۔ آزادی کے مطالبے کے بعد، پاکستان سے الحاق کا مطالبہ خود بخود کمزور ہو جاتا ہے۔ بھارت میں رہنے والے کروڑوں سنّیوں کو مصائب و مشکلات اور خطرات میں مبتلا کرنا بھی ان "امل ملیشیا" والے دہشت گردوں اور ان کے آقاؤں کا ایک اہم مقصد ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی اس تحریک بے محل سے پورے بھارت کے ہندوؤں میں سخت اشتعال پھیلا ہوا ہے اور کروڑوں مسلمانوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ دلی، گجرات اور بڑودہ میں فساد ہو چکا ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی اس کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ آخر میں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ آزاد کشمیر میں بھی اس شیعہ امل ملیشیا کی طرف سے دہشت گردی اور نام نہاد تحریک حریت کا شروع ہو جانا، بعید از قیاس نہیں ہے۔ حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان، دونوں کو ہوشیار رہنا چاہئیے۔

پاکستان کا طرز عمل کیا ہونا چاہئیے؟

حکومت ہند اس وقت مسلمانان کشمیر پر جو مظالم کر رہی ہے، اس پر رنج و تشویش کا اظہار کرنا اور اہل کشمیر کو ان مصائب و مظالم سے نجات دلانے کے لئے بھارت پر اخلاقی دباؤ ڈالنا، پاکستان کی ذمہ داری ہے اور وہ اپنا یہ فریضہ ادا کر رہا ہے۔ کشمیر کے مسئلے کو استصواب رائے سے حل کرنے اور گفت و شنید کے ذریعہ اس کی تفصیلات طے کرنے کا مطالبہ پاکستان کی طرف سے ہونا چاہئیے اور ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی ممالک اور امریکہ و روس وغیرہ دیگر ممالک، کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور ان کی طرف سے بھارت پر اخلاقی دباؤ ڈلوانا، بھی پاکستان کے طرز عمل کا اہم حصہ ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اس نے کچھ کام کیا ہے مگر ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ امریکہ اور یورپ کی بڑی طاقتیں، بھارت کو کشمیر والوں پر ظلم و ستم سے باز آنے اور اس مسئلے پر پاکستان کے ساتھ گفت و شنید کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم کیوں نہیں اٹھاتیں، جیسا انہوں نے جنوبی افریقہ کی حکومت کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے، اس کے خلاف اٹھایا تھا۔ پاکستان کو چاہئیے کہ وہ ان طاقتوں پر ایسے اقدام کے لئے زور دے۔ اس مسئلہ پر جنگ، پاکستان اور بھارت دونوں کے لئے تباہ کن تو ہو گی مگر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکے گی۔ ان کاموں کے ساتھ مناسب یہ ہے پاکستان کشمیر میں دہشت گردی اور دہشت گردی کرنے والوں کی کھل کر مذمت کرے اور ان نام نہاد "حریت پسندوں" سے اپنی بیزاری کا اعلان کرے۔ آزاد کشمیر کی حکومت اور حکومت پاکستان، دونوں کو چوکنا رہنا چاہئیے اور ہوشیاری کے ساتھ آزاد کشمیر میں "امل ملیشیا" کی طرف سے دہشت گردی کا سدباب کرنا چاہئیے۔ اس کے اندیشہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہئیے۔

شیعہ پروری اور ایران نوازی، سابق حکومت پاکستان کی بھی پالیسی تھی جو بدیہی طور پر پاکستان

اور خصوصاً اہل سنّت کے لئے سخت نقصان رساں ثابت ہوئی۔ موجودہ حکومت میں تو وزیر اعظم ہی شیعہ ہیں۔ فوج کے سربراہ اعلیٰ شیعہ تو نہیں ہیں مگر ایران کی محبت، ان کے دل میں شاید شیعوں سے بھی زیادہ ہے۔ ایران کا "خمینی انقلاب" ان کے نزدیک "اسلامی انقلاب" اور وہاں کا موجودہ نظام حکومت، ان کی نظر میں، "اسلامی" ہے۔ ہمارے ہر سرکاری محکمہ میں اہم اور کلیدی عہدوں پر شیعہ ممتاز ہیں۔ متوسط اور نچلی سطح کی سرکاری ملازمتوں میں بھی اب شیعوں کی کثرت ہے جو ان کی آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ ہے۔ اگر حکومت کی یہی پالیسی

رہی تو شاید کچھ دنوں میں شیعہ ملازمین حکومت کی اکثریت ہو جائے گی۔ حکومت پاکستان کی یہ پالیسی، پاکستان اور خصوصاً اہل سنّت کے لئے جو پچانوے (۹۵) فی صد ہیں، سخت مضرت رساں ثابت ہوگی اور اگر جاری رہی تو ان کے لئے تباہ کن ہوگی۔ افسوس یہ ہے کہ اپوزیشن کے سنی قائدین اور سیاسیات میں حصہ لینے والے علماء و مشائخ بھی اس سلسلہ میں سرمہ در گلو ہیں اور حکومت کی اس غلط پالیسی پر کوئی تنقید بھی نہیں کرتے۔ اس سے کم درجہ کی باتوں سے تو وہ حکومت کے خلاف تحریک چلانے اور بقول خود "جہاد" پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن اس کی اس تباہ کن روش کے بارے میں، ان کی زبان ایک لفظ خرچ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتی۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر "اسلامی نظام" اور "اسلامی انقلاب" کا نعرہ لگانے والے، اہل سنّت کی اس حق تلفی اور اس تباہ کن شیعہ پروری و ایران نوازی کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہتے۔ ایران سے ملنے والی پاکستان کی سرحد کھلی ہوئی ہے اور ادھر سے دہشت گردوں اور اسمگلنگ کرنے والوں کو آنے جانے میں کوئی خاص دشواری نہیں پیش آ سکتی۔ ہمارے سنی قائدین سیاست، حکومت سے، اسے محفوظ بنانے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟

مقبوضہ کشمیر کے موجودہ حالات سے عبرت حاصل کر کے ہمیں ایران کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا چاہئیے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنا چاہئیے۔ یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ ایران اور پاکستان کے شیعوں نیز شیعہ پرور اور ایران نواز سنی جماعتوں کی شدید خواہش ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جنگ ہو جائے۔ نام نہاد "جماعت اسلامی" کی طرف سے جو جہاد کے نعرے آج کل بلند ہو رہے ہیں، اس کا سبب حُبّ اسلام یا حُبّ پاکستان نہیں ہے بلکہ حُبّ ایران و حُبّ شیعیت ہے۔ یہاں سنیوں میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ ..... "شیعوں اور شیعہ نوازوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ پاکستان کو ہندوستان سے بھڑا دیا جائے اور اس وقت دوستی، خیر سگالی، تعاون اور حفاظت کے نام سے ایران پاکستان کے درمیان کنفیڈریشن قائم کر دیا جائے" ...... یہ افواہ صحیح ہے یا غلط؟ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن اگر ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پاکستان ختم ہو کر ایران کا ایک صوبہ بن جائے اور یہ صورت حال ملک کے پچانوے (۹۵) فی صد اہل سنّت کے لئے تباہ کن ہوگی۔ دین و دانش کا تقاضا اور شدید تقاضا ہے کہ اہل سنّت، ہر قیمت پر اس صورت حال کو پیدا ہونے سے روکیں اور حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ ایران کے ساتھ اپنی حد سے گزری ہوئی دوستی کو حدود کے اندر لائے۔ اہل سنّت کے سیاسی قائدین خواہ وہ کسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں، اس مسئلے کی طرف فوراً توجہ کریں اور اس امر کی بھی پوری کوشش کریں کہ پاکستان اور بھارت میں جنگ نہ ہونے پائے بلکہ یہ مسئلہ گفت و شنید اور اخلاقی دباؤ سے حل ہو جائے

عاصی کرنالی

نعت

اب کوئی لمحہ، کوئی پل کٹتا نہیں درود بن
اب یہی کام صبح و شام، اب یہی شغل رات دن
صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

سب کے لب و ذہن کا نور، مدح سرائی حضور
بزمِ مکان و لامکاں، حور و فرشتہ، انس و جن
صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

یہ ہے سلام کا ثمر، یہ ہے درود کی جزا
روح مری ہے شادماں، قلب مرا ہے مطمئن
صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

آئینۂ وجود کا سارا غُبار دھل گیا
بڑھ گیا نیکیوں کا شوق آنے لگی بدی سے گِھن،
صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

ذکرِ رسول سے چمک، عطرِ درود سے مہک
بے حد و بے شمار پڑھ، کتنا پڑھا ہے یہ نہ گن
صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

اختر شیرانی مرحوم

محفلِ احرار میں آ

مسندِ عیش سے اُٹھ ! عرصۂ پیکار میں آ
بزمِ مے چھوڑ کے، بزمِ رسن و دار میں آ

نذر کر مشہدِ کشمیر پہ اشکِ خونیں
دلِ غم دیدہ اِس اُجڑے ہوئے گلزار میں آ

یوسفِ حسنِ شہادت بہت ارزاں ہے آج
نقدِ جاں ہات میں لے کر مصر کے بازار میں آ

سینۂ شوق میں ہنگامۂ مستی لے کر
ساغرِ عشق اٹھا، محفلِ احرار میں آ

ہر مسلمان کا ہے دل رشکِ چمن داغوں سے
خلدِ کشمیر کے اِس طرفہ چمن زار میں آ

مایۂ دولتِ جاوید ہے تیری ہستی
لے کے اِس جنسِ گراں مایہ کو بازار میں آ

تا بہ کے بندگیٔ ساغر و مینا اختر
اب تو اللہ کے بندے صفِ احرار میں آ

اخبار "احرار" لاہور
۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء

حافظ وقار احمد

غزل

بکھر کے رہ گیا شیرازہ ستم آخر
قفس کو توڑ کے ہم نے لیا ہے دم آخر

جو کاذبوں کی حمایت میں لکھتے آئے ہیں
یقیں نہیں کہ وہ سچ بھی کریں رقم آخر

وجودِ صبحِ درخشاں کو شب گزیدہ لوگ
نہ مانتے تھے ہوئے روشنی میں ضم آخر

تھا سحر ایسا کسی طور ٹوٹتا ہی نہ تھا
فسوں کے گرنے لگے ہیں سبھی صنم آخر

جہاں خیال و گماں کی نہ تھی رسائی بھی
وفورِ شوق میں گزرے وہاں سے ہم آخر

مبارزت میں ہمیں لوگ سرخرو ٹھہرے،
ہوا ہے ظلم کا اب سرنگوں علم آخر

بقیہ از صفحہ ۱۴

ساتھ شیعہ بھی دے رہے ہیں اور جب عدالت نے بابری مسجد کو سنیوں کی مسجد تسلیم کر لیا ہے تو اس سلسلے میں آر ایس ایس شیعوں سے الگ گفتگو کیوں کر رہا ہے اور وہ کون شیعہ ہیں جو آر ایس ایس سے گفتگو کر رہے ہیں۔ کیا ان شیعوں کو خود اپنے فرقے کی نمائندگی کا حق ہے؟

ڈاکٹر محمد دین تاثیر مرحوم

نوائے حریت

گرمیٔ ذوقِ عمل حلقۂ احرار میں ہے
وہی گفتار ہیں ان کی ہے جو کردار میں ہے
زندگانی کا مزا عرصۂ پیکار میں ہے
لذتِ راہ نوردی خلشِ خار میں ہے
پھر وہی جذب کی قوت رسن و دار میں ہے
پھر وہی جوشِ شہادت کے طلبگار میں ہے
خانقاہوں میں نہیں نعرہ "ہو حق" میں نہیں
نشۂ زیست جو تلوار کی جھنکار میں ہے
وہ کہاں تیری عبادت میں ہے اے مفتیٔ شہر
جذبۂ عشق جو ہر ایک رضا کار میں ہے
مجھ کو کشمیر کے مظلوم جوانوں کی قسم
رونقِ دین اسی اجڑے ہوئے گلزار میں ہے
تیرے دل ہی میں ہے تاثیر محبت کی تڑپ
یا کوئی آتشِ پنہاں تیرے اشعار میں ہے

اخبار "احرار" لاہور

۱۷ر دسمبر ۱۹۳۱ء

کشمیر چلو

تقریروں کو چھوڑو اٹھو ، زنجیروں کو توڑو اٹھو
منہ دنیا سے موڑو اٹھو ، اٹھو اور کشمیر چلو
کشمیر چلو کشمیر چلو

چھوڑو تم دنیا کے دھندے توڑو گردن سے یہ پھندے
بن کر ایک خدا کے بندے اٹھو اور کشمیر چلو ،
کشمیر چلو کشمیر چلو

کہتے ہیں کشمیر ہے جنت ، ہر دم راحت ہر دم رحمت
جنت سے پھر کیسی نفرت اٹھو اور کشمیر چلو
کشمیر چلو کشمیر چلو

آخر جب سب کو ہے مرنا مرنے سے پھر کیسا ڈرنا
آج کرو جو کچھ ہے کرنا اٹھو اور کشمیر چلو
کشمیر چلو کشمیر چلو

غیر کے طعنے ہر دم سہنا کب تک یونہی جیتے رہنا
مانو تم تاثیر کا کہنا اٹھو اور کشمیر چلو
کشمیر چلو کشمیر چلو

اخبار "احرار" لاہور

۱۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء

بابری مسجد کے شیعہ مالکوں سے گفتگو۔۔۔؟

روزنامہ "آزاد ہند" مشرقی کلکتہ نے حال ہی میں بابری مسجد سے متعلق ایک فکر انگیز اداریہ لکھا ہے۔ عامتہ المسلمین کو ملت کے خلاف ہونے والی اندرون خانہ سازشوں سے آگاہ کرنے کے لئے یہ تحریر ماہنامہ "گنفاروق" کراچی کے شکریہ کے ساتھ "نقیب ختم نبوت" میں شائع کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

بابری مسجد نہ شیعوں کی ہے اور نہ سنیوں کی بلکہ وہ بلا اختلاف مسلک تمام مسلمانوں کی ہے، ویسے تکنیکی اور قانونی طور پر حکومت اتر پردیش نے اس کو سنیوں کی مسجد تسلیم کر رکھا ہے اور جب ۱۹۴۸ء میں رات کے اندھیرے میں بابری مسجد کے اندر بت رکھے گئے تھے تو حکومت اتر پردیش کی طرف سے سنی وقف بورڈ نے ہی اس حرکت کے خلاف الٰہ آباد ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا تھا اور حلف نامہ داخل کیا تھا کہ بابری مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے لیکن اب انتہائی خطرناک طریقے سے بابری مسجد کو شیعہ سنی نزاع بنایا جارہا ہے اور بعض شیعہ رہنما اس سلسلے میں فرقہ پرست ہندو لیڈروں کی مدد کر رہے ہیں۔ ان شیعہ رہنماؤں میں آغا روحی پیش پیش ہیں جو کھلے عام کہتے پھر رہے ہیں کہ بابری مسجد ہندوؤں کے حوالے کر دی جائے اور بدلے میں کسی اور مقام پر مسجد منتقل کر دی جائے۔

وشوا ہندو پریشد کے کل ہند جوائنٹ سکریٹری موہن جوشی نے انکشاف کیا ہے کہ گذشتہ فروری میں مندر کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ اینٹیں دینے کی جس نے پیش کش کی تھی وہ مسلمان ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مسلمان آغا روحی جیسے ننگ ملت لوگوں کے قبیلے کا ہوگا۔ لکھنؤ کے نام نہاد خمینی دار العلوم کے سربراہوں کی طرف سے بھی مختلف زبانوں میں پمفلٹ شائع کر کے وشوا ہندو پریشد کی تائید کی جارہی ہے۔ عباس علی نقوی نے تو ۱۰ "مسلم تنظیموں" کی طرف سے اعلان ہی کر دیا ہے کہ "وطن دوست" مسلمان بابری مسجد کے انہدام میں حصہ لیں گے اور کسی دوسرے مقام پر "مسجد اتحاد" تعمیر کریں گے۔

یہ اطلاعات مسلسل موصول ہورہی ہیں کہ ایران کے "مجتہدین" سے اس نوعیت کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ بابری مسجد کا انہدام خلاف شریعت نہیں ہے کہا جاتا ہے کہ کل ہند اردو رابطہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری ملک زادہ منظور احمد اس نوعیت کا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ایران تشریف لے گئے تھے مگر ملک زادہ نے تحریری طور پر بتایا ہے کہ وہ اس مقصد کے تحت ہرگز ایران نہیں گئے تھے بلکہ علامہ خمینی کے چہلم میں شرکت کی غرض سے گئے تھے۔ بہر حال اس بات میں کوئی اشتباہ نہیں کہ ایرانی قیادت جو خمینی ازم پر عمل کر رہی ہے کسی نہ کسی ایسی سازش میں ضرور ملوث ہے جو مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کر دے۔ تہران نے اب تک آغا روحی سے اپنی برات کا اعلان نہیں کیا ہے اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ آغا روحی کا دہلی کے ایرانی سفارت خانے سے گہرا تعلق ہے اور وہ اکثر و بیشتر ایرانی سفارت خانے میں نظر آتے ہیں۔ بہر حال لکھنؤ اور تہران میں بابری مسجد کے مقدمے کو سبوتاژ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔ اس کھچڑی کی مہک بالا صاحب دیورس کے اس بیان میں بھی ہے، جس میں آر ایس ایس کے سربراہ نے کہا ہے کہ اجودھیا میں ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو رام چندر کا سنگ بنیاد تو رکھا جائے گا مگر اسی دن بابری مسجد کو منہدم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس سلسلے میں مسجد کے شیعہ مالکوں سے بات چیت ہورہی ہے جو بابری مسجد دوسری جگہ منتقل کرنے پر آمادہ ہیں اور آر ایس ایس کسی دوسرے مقام پر بابری مسجد کی تعمیر میں ہر قسم کی مدد کرے گا۔

بالا صاحب دیورس کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ بابری مسجد کے خلاف اندرونی سازش کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی اندرونی سازش کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ٹیپو سلطان کو بھی اندرونی سازش ہی کی وجہ سے شکست کا منہ اس وقت دیکھنا پڑا تھا جب اس وقت کے افغان حکمران اپنی فوج لے کر ٹیپو سلطان کی مدد کے لئے آ رہے تھے تو ایک غدار مہدی حسن نے ایران جا کر وہاں کی حکومت کو گمراہ کیا تھا اور ایران نے افغانستان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ چھیڑ دی تھی تاکہ وہ ٹیپو سلطان کی مدد نہ کر سکے۔ اگر ایران غدار مہدی حسن کی وجہ سے افغانستان سے جنگ نہ چھیڑتا تو ۱۷۹۹ء میں ہی ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہو گیا ہوتا اور لال قلعہ پر ٹیپو سلطان کا پرچم لہراتا۔

آغا روحی وغیرہ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر "اتحاد بین المسلمین" کے پر فریب نعروں سے مسحور ہو کر خاموش نہیں رہا جا سکتا۔ آغا روحی جیسے خمینی پرستوں نے ہر دور میں اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور وہ اس عقیدے کو ماننے والے ہیں کہ جب امام مہدی کا ظہور ہو گا تو وہ کافروں سے پہلے سنیوں سے جنگ کریں گے اور ساری دنیا میں داؤدی شریعت نافذ کریں گے۔ واضح رہے کہ اسرائیل بھی داؤدی شریعت ہی کی بات کرتا ہے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے بابری مسجد کے مقدمے کو سبوتاژ کرنے کے لئے اتنی زبردست سازش رچائی گئی ہے کہ بابری مسجد کی تحریک بازیابی دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ایک حصے کے سربراہ شہاب الدین صاحب الگ راگ الاپ رہے ہیں تو ظفریاب جیلانی وغیرہ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔ دونوں گروہوں نے بابری مسجد کے نام پر مسلمانوں کے جذبات کا استحصال کر کے خطیر رقم جمع کی تھی مگر کوئی گروہ وکیلوں کی فیس دینے کے لئے بھی پیسے نہیں نکالتا۔ ادھر وشوا ہندو پریشد نے مسلمانوں میں اپنے ایجنٹ پیدا کرنے کے لئے ایک کروڑ روپیہ مختص کر دیا ہے اور اب وہ روپیہ رنگ لا رہا ہے کہ آغا روحی جیسے لوگ وشوا ہندو پریشد کے منصوبے کی مکمل تائید کر رہے ہیں اور معلوم نہیں کتنے آغا روحی مسلمانوں کے خلاف اس گھناؤنی سازش میں ملوث ہیں۔

ادھر کچھ دنوں سے راجہ رشی وشوا ناتھ پرتاپ سنگھ بھی بابری مسجد کے قضیہ سے گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک عرصہ تک خاموش تھے۔ اخباری نمائندوں کے بار بار سوال کرنے پر بھی وہ بابری مسجد پر اظہار خیال سے گریز کر رہے تھے مگر اب راجہ صاحب فرماتے ہیں کہ بابری مسجد، رام جنم بھومی کے قضیے کو بات چیت کے ذریعہ حل کرنے کے لئے اپنا تعاون پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ راجہ صاحب اب تک اس معاملہ میں خاموش تھے مگر اچانک وہ اس سے گہری دلچسپی لینے لگے ہیں۔ یہ کوئی انکشاف نہیں ہے کہ نئی دہلی کے ایرانی سفارت خانہ سے راجہ صاحب کے بھی گہرے تعلقات ہیں اور عام جلسوں میں ایرانی سفارت کاروں کے ساتھ راجہ صاحب اکثر و بیشتر نظر آنے لگے ہیں تو کیا راجہ صاحب نے اندر ہی اندر ایرانی قیادت سے کوئی بات طے کر لی ہے۔

بالا صاحب دیورس کو معلوم ہونا چاہئیے کہ بابری مسجد سنیوں کی ملکیت ہے اور عدالت بھی اس کو تسلیم کر چکی ہے اس لئے اس کے انہدام یا اس کو منتقل کرنے کے سلسلے میں اس کے شیعہ مالکوں سے بات چیت کرنا بے سود ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ تمام مسلمانوں کا مشترک مسئلہ ہے اس لئے اس کے متعلق صرف شیعوں سے بات کرنا کیا معنی؟ یہ کہنا تو انتہائی خطرناک مضمرات کا پتہ دیتا ہے کہ ہم بابری مسجد کے شیعہ مالکوں سے بات کر رہے ہیں۔ آخر بالا صاحب دیورس بابری مسجد کے شیعہ مالکوں سے کیا بات کر رہے ہیں۔ اس کا مقدمہ تو سنی لڑ رہے ہیں جن کا

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

ماضی کے جھروکے سے

محترم محمد حسن چغتائی مدظلہ
امیر مرکزیہ عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان

مفکر احرار چودھری افضل حق کا ایک تاریخی خط

دم نہ کھاؤ دمہ ہو گا

علاقہ ہیڈ پنجند اور ضلع رحیم یار خاں کا دورہ ختم کرنے کے بعد جانشین امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ شب درمیانی یکم/۲ فروری ۱۹۸۲ء کو احمد پور شرقیہ تشریف لائے مجھے ان کے احمد پور شرقیہ میں متوقع آمد کا کا علم ہوا۔ تو میں بھی ملاقات کی غرض سے احمد پور چلا گیا۔ شاہ صاحب کی آمد پر احباب کی آمد و رفت کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہا اور اچھی خاصی رونق رہی۔ صبح کو ایک پرانے کارکن " رفیق عبدالقدوس انصاری " بھی تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی، وہ کچھ عرصہ سے بصارت سے محروم ہو چکے ہیں۔ باوجود معذوری کے چلتے پھرتے رسائل و کتب فروخت کر کے اپنے اور اپنے بال بچوں کی گزر اوقات کرتے ہیں۔ وہ ایک پختہ ذہن احراری ہیں اور صحافت کی کوچہ گردی بھی کر چکے ہیں۔ باوجود بڑھاپے کے ان کی گفتگو میں وہی بانکپن اور تہور ہے جو جوانی کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ ان کی آمد پر مجلس میں نکھار آگیا۔ مجھے یاد آیا کہ ایک بار موصوف نے جیل میں آمدہ مفکر احرار چودھری افضل حق کے ایک خط کا ذکر کیا تھا مجھے اس کے مندرجات معلوم کرنے کا اشتیاق تھا۔ اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے یہ بات چھیڑ دی۔ انہوں نے بیان کیا

" میں جنگ عظیم دوم کے آغاز میں قائد احرار، ماسٹر تاج الدین انصاری کے ہاں دھلی میں مقیم تھا۔ ان دنوں ماسٹر صاحب دفتر مجلس احرار اسلام ہند دہلی میں رہا کرتے تھے۔ جبکہ مجلس احرار اسلام ہند کی مجلس عاملہ نے "فوجی بھرتی بائیکاٹ" کی مہتمم بالشان قرار داد منظور کر کے ڈکٹیٹر شپ کا اعلان کر دیا۔ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی ڈکٹیٹر اوّل مقرر ہوئے۔۔ احرار کارکن، لیڈر اور رضا کار ملک بھر میں اس مہم میں شریک ہونے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور گرفتاریوں کا ملک گیر سلسلہ جاری ہو گیا۔ چنانچہ میں بھی دہلی سے تقریر کا آغاز کر کے وسط ہند کی طرف نکل پڑا۔ جھانسی میں میری گرفتاری عمل میں آئی اور ڈسٹرکٹ جیل بنارس میں مقید کر دیا گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مجھے سزائے موت کے مجرموں والی کوٹھڑی میں رکھا گیا۔ جہاں پہلے سے " مہاسبھائی دہشت پسند گروپ " کا ایک مفرور مجرم " پرمانند " بھی ساتھ کی کوٹھڑی میں مقید تھا۔ چند روز ڈسٹرکٹ جیل میں رہنے کے بعد مجھ پر " بواسیر " کی بیماری کا حملہ ہوا اور مجھے علاج کی غرض سے سنٹرل جیل بنارس میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی اور مفکر احرار چودھری افضل حق مقید منٹگمری (ساہی وال) جیل

کی نظر سے طرزی۔ جنہوں نے میرے نام ایک خط بذریعہ ڈاک ارسال کیا۔ یہ خط اپنے مختصر مگر پر مغز مفہوم کی بنا پر دو روز تک افسران جیل کے مباحث کا مرکز بنا رہا اور بالآخر تیسرے روز جیل کے ڈاکٹر انچارج بنگالی سرجن "کیپٹن سی۔ این رائے" خود لے کر میرے پاس آیا۔ طبیعت کا حال پوچھا۔ دیکھا بھالا اور یہ کہنے کے بعد آپ کا علاج بہتر طریق پر ہوگا، بے فکر رہیں۔" خط میرے ہاتھ میں تھما دیا جس پر مرقوم تھا۔

"عزیزی! السلام علیکم۔

دم نہ کھاؤ۔ دمہ ہوگا۔

فقط افضل حق

یہ خط کچھ عرصہ تک میرے پاس رہا۔ پھر امتداد زمانہ سے کہیں اوپر نیچے ہوگیا اور دستیاب نہ ہو سکا۔ اس خط نے میرے ولولوں کو نئی زندگی بخشی۔"

"دم نہ کھاؤ دمہ ہوگا" قومی محاذ پر کام کرنے والے مخلص کارکنان اور ملک کی سرحدوں کے محافظ سپاہیوں کے لئے "مفکر احرار" کا یہ مقولہ ایک "شاندار ماٹو" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے اندر ایک وسیع مفہوم پوشیدہ ہے اور مرحوم کی تصانیف اور خطبات اس قسم کے مختصر، سادہ اور وسیع المطالب مقولوں سے پر ہیں۔"

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک عبرت آموز واقعہ

کہروڑپکا ضلع ملتان میں واقع ہے۔ یہاں علماء دین نے جہالت کے اندھیروں، شرک و بدعت کی ضلالتوں اور رسوم و رواج کی قباحتوں کے خاتمہ کے لئے زبردست محنت کی ہے۔ خصوصاً حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور مجلس احرار اسلام کے دیگر اکابر نے نصف صدی تک یہاں توحید و ختم نبوت کی صدائے حق بلند کی اور یہ علاقہ مجاہدین احرار کے رجزیہ ترانوں سے گونجتا رہا۔ یہاں دین اسلام کی مسلسل تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں کے عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کے قلب و ذہن میں انگریز کے خلاف بغاوت اور اس کے خود کاشتہ پودے "مرزائیت" کے احتساب کا جذبہ اور شعور بیدار کرنا صرف اکابر احرار کا ہی حصہ ہے۔

١٧ مئی ١٩٦٦ء کا ذکر ہے۔ میں اپنے کسی کام کہروڑپکا گیا تو صابر میڈیکل سٹور پر مڈل سکول "دھنوٹ" کے استاد ماسٹر طالب حسین صاحب حال ساکن بستی پکہ تحصیل لودھراں سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مرزائی چیتھڑے روزنامہ "الفضل" کی بابت اپنا ایک عبرت آموز واقعہ بیان کیا۔ میں نے ان کی زبانی واقعہ سن کر فوراً قلمبند کر لیا اور ان کے دستخط کے ساتھ اسے محفوظ کر لیا۔ مرزائی چیتھڑے "الفضل" کے دجل و تلبیس اور خدع و

فریب کے اس مذموم کاروبار سے عامۃ المسلمین کو خبردار کرنے اور مرزائیوں کے دھوکے سے بچانے کی غرض سے جناب غلام حسین صاحب کا بیان من و عن پیش خدمت ہے۔

"۱۹۶۳ء میں بندہ مڈل سکول دھنوٹ میں تعینات تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک مرزائی پٹواری غلام حسین نامی بھی رہا کرتا تھا۔ اس کا لڑکا مدرسہ میں زیر تعلیم تھا اور وہ اپنے ہمراہ اکثر اوقات الفضل لایا کرتا تھا۔ میں نے دو چار بار الفضل دیکھا۔ تو اس میں بیرونی ممالک کی تبلیغی سرگرمیوں کی خبر کی غرض سے اسے دیکھنے کا اشتیاق ترقی پانے لگا۔ ایک شب کو میں اسے مطالعہ کرتے ہوئے سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ نصف شب کے قریب انتہائی درجہ کی عفونت سے میری نیند کھل گئی۔ ہر چند ادھر ادھر دیکھا، بستر کا جائزہ لیا۔ کوئی چیز دیکھنے میں نہ آئی۔ جونہی بستر کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے میں نے الفضل کو ہاتھ میں لیا۔ تو عفونت سے دماغ پھٹنے لگا۔ میں نے اسے دور پھینکا تو گندگی کی بو کم ہونی شروع ہو گئی لیکن اس کے تاثرات صبح تک دماغ پر قائم رہے۔ اس کے بعد میں نے اس گندگی کے پلندے کو ایک نظر دیکھنے سے بھی ہمیشہ کیلئے توبہ کر لی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے باطل کی طرف مائل ہونے سے بچا لیا۔"

زیرِ تعمیر مسجد و مدرسہ

جامعہ نقشبندیہ تبلیغ الاسلام

لکا قلعہ تحصیل ننکانہ، ضلع شیخوپورہ،

زیر سرپرستی : حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ : خانقاہ سراجیہ کندیاں

مسجد کی تعمیر شروع ہے نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں بھرپور تعاون فرمائیں!

ترسیل زر کے لئے | ناظم اعلیٰ حضرت مولانا نورالدین صاحب! خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

منتظم و متولی | حضرت مولانا قاری محمد اقبال ساجد، خلیفہ مجاز حضرت مولانا نورالدین مدظلہ العالی۔ اکاؤنٹ نمبر ۱۶۶۸ یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کھڈا موڑ برانچ؛

آئمۂ تجوید

مولانا محمد عبد الحق چوہان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اور سلسلۂ نبوّۃ و رسالۃ آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہو چکا ہے اس لئے آپ پر نازل شدہ کتاب یعنی قرآن مجید آپ کا ابدی معجزہ ہے اور خداوند قدوس نے اس کتاب کے متعلق وعدہ فرمایا ہے کہ اس کتاب کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے جس طرح مطالب اور مفاہیم سنّۃ اور حکمۃ نبویہ کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ اسی طرح اسکے الفاظ بھی تحریف و تبدّل سے مامون و مصئون ہیں قرآن مجید اپنی اس خصوصیّۃ اور وصفِ خاص کے باعث تمام کتب سماویہ اور صحف نازلہ سے ممتاز و منفرد ہے۔ قرآن مجید کی یہ ایسی ممتاز خصوصیّۃ ہے کہ اس وصفِ خاص میں نہ تو رایت کو شرکۃ حاصل ہے اور نہ ہی انجیل کو۔ موجودہ عہد نامہ جدید و قدیم کے متعلق اگرچہ عیسائی پادریوں کا دعویٰ ہے کہ یہ صحف سماویہ کا ترجمہ ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان موجودہ کتب کے مضامین کا تضاد و تناقض اور مہمل مضامین پر ان کا اشتمال اس امر پر واضح اور روشن دلیل ہے کہ یہ خداوند قدوس کا کلام نہیں ہو سکتا پادری اس بات سے بالکل ہی عاجز و درماندہ ہیں کہ وہ کوئی ایسا صحیفہ پیش کر سکیں کہ جس کے متعلق اُنکا دعویٰ ہو کہ یہ اصل صحیفہ ہے اور نہ ہی وہ حضرۃ عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ساتھ موجودہ اناجیل اربعہ کا سند کے اعتبار سے اتصال ثابت کر سکتے ہیں۔ صرف اور صرف یہ اسلام ہی کی خصوصیّۃ ہے کہ پیغمبر اسلام پر نازل شدہ کتاب یعنی قرآن مجید تواتر زمانی کے اعتبار سے اُمۃ مسلمہ کے پاس تاہنوز محفوظ و موجود ہے بلکہ اس کے الفاظ پڑھنے کا طریقہ اور اس کے حروف کی ادائیگی کی کیفیت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ اہل اسلام کے اس انہماک کے باعث قرآن مجید کی قرأت کو بھی ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی مبلّغ قرآن تھا لیکن جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر قرأت حاصل کی اور قُرّاء کے نام سے مشہور ہوئے اور اور مابعد زمانے کے آئمہ تجوید کیلئے بالذات یا بالواسطہ شیوخ اور اساتذہ ثابت ہوئے۔ وہ سات تھے اور جن کی قرأت بلاد اسلامیہ میں پھیلی اور آج تک اُن کا سلسلۂ قرأت موجود ہے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان حضرت علی ابن طالب۔ حضرت زید بن ثابت۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ حضرت ابو الدرداء۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اور تجوید کے جن آئمہ کو شہرتِ تام حاصل ہوئی اور جن حضرات کی قرأت کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے وہ یہ حضرات ہیں۔

۱ ـــــ امام ابوعبداللہ نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم اللیثی المدنی۔ یہ بہت ہی صالح نیک سیرۃ اور ثقہ تھے۔ انکا اصلی وطن اصبہان تھا۔ لیکن انہوں نے مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ اسی وجہ سے "المدنی" کہلاتے ہیں انہوں نے ابوجعفر اور دیگر ستر تابعین سے قرأت میں استفادہ کیا۔ اور ابوجعفر کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ان دونوں صحابہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرأت حاصل کی اور حضرت ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ۱۶۹ھ کو مدینہ منورہ میں انکی وفات ہوئی اور انکی قرأۃ کے دو راوی زیادہ مشہور ہیں۔

ا ـ ایک عثمان ابن سعید مصری جو کہ "الورش" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حضرت کوتاہ قامت تھے اور عموماً سفید لباس زیب تن فرماتے تھے۔ ۱۱۰ھ کو مصر میں انکی ولادت ہوئی اور انہوں نے مدینہ منورہ میں امام نافع سے قرأت حاصل کی اور یہ اپنے زمانہ میں دیارِ مصر کے شیخ القراء تھے۔ ۱۹۷ھ کو مصر میں انکی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ب ـــ اور امام نافع کی قرأت کے دوسرے راوی ابوموسیٰ عیسیٰ ابن مینا تھے۔ یہ قبیلہ بنو زہرہ کے موالی میں سے اور امام نافع کے ربیب تھے ۱۲۰ھ کو مدینہ منورہ میں انکی ولادۃ ہوئی۔ تجوید کے اندر ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس لئے امام نافع ان کو "قالون" کے لقب سے پکارتے تھے۔ قالون رومی لغت کا لفظ ہے جس کے معنی عمدہ اور جید کے ہیں ۲۲۰ھ کو مدینہ منورہ میں انکی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۲ ـــــ ابومحمد عبد اللہ ابن کثیر مکی۔ یہ اہل مکہ کے شیخ القراء تھے۔ ۴۵ھ کو مکہ مکرمہ میں انکی ولادت ہوئی انہوں نے صحابہ کرام کا زمانہ بھی پایا۔ اور متعدد صحابہ سے استفادہ کیا اور تجوید میں یہ امام مجاہد کے تلمیذ ہیں اور امام مجاہد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے۔ اور حضرت ابن عباس۔ حضرت ابی ابن کعب کے اور حضرت ابی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ امام ابن کثیر ۱۲۰ھ کو مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔ انکی قرأت کے بھی دو راوی ہیں زیادہ مشہور ہیں۔

ا ـــ ایک محمد ابن عبدالرحمٰن المخزومی المکی۔ جو کہ قنبل کے لقب سے مشہور ہیں ۱۹۵ھ کو انکی ولادۃ ہوئی تھی اہل حجاز کے یہ شیخ القراء تھے ۲۹۱ھ میں انکی وفات ہوئی۔

ب دوسرے احمد بن محمد البزی۔ المکی ۱۷۰ھ کو انکی ولادت ہوئی یہ مسجد الحرام کے مؤذن تھے اور اہل مکہ کے قاری ۲۵۰ھ کو انکی وفات ہوئی۔

۳ ـــــ ابوعمرو زبان ابن العلاء التمیمی المازنی البصری ۶۸ھ کو بصرہ میں انکی ولادت ہوئی جب یہ سن رشد کو پہنچے تو اپنے والد کی معیت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ مکہ اور مدینہ منورہ کے اہل علم اور قُراء حضرات سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد بصرہ اور کوفہ کے شیوخ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ قرآن مجید اور علوم عربیہ کے

بڑے عالم تھے۔ صدق اور زہد کے اوصافِ جلیلہ سے موصوف تھے۔ امام مجاہد اور سید التابعین سعید ابن جبیر سے علم قرأۃ حاصل کیا۔ اور ان دونوں حضرات نے حضرۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ۱۵۵ھ کو، کوفہ میں انکی وفات ہوئی۔ ان کی قرأت کے بھی دو راوی زیادہ مشہور ہیں:

ا ـــــ ایک ابو عمر حفص ابن عمر ابن عبد العزیز ابن اصہبان الازدی البغدادی۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور شیخ القراء تھے۔ علم قرأت کے حصول میں انہوں نے سفری صعوبتیں برداشت کیں۔ قرأت مشہورہ اور شاذہ دونوں کے عالم تھے ۲۴۶ھ کو انکی وفات ہوئی۔

ب ـــــ انکی قرأت کے دوسرے راوی ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی ہیں۔ یہ ضابط اور ثقہ قاری تھے انہوں نے اپنے اساتذہ کے سامنے قرآن مجید کی قرأت پڑھی بھی ہے اور سنی بھی ہے اور ۲۶۱ھ کو انکی وفات ہوئی۔

۴ ـــــ ابو عمران عبد اللہ ابن عامر الیحصبی الحمیری۔ یحصب قبیلہ حمیر کی شاخ ہے اسی کی طرف منسوب ہیں۔ سنہ ھ کو ان کی ولادت ہوئی یہ اہلِ شام کے امام القراء تھے۔ کبار صحابہ سے مستفید ہوئے۔ فتح دمشق کے بعد انہوں نے دمشق کے اندر اقامت اختیار کر لی بہت ذہین و فطین تھے۔ مغیرہ ابن ابی شہاب المخزومی سے قرأت حاصل کی اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ۱۱۸ھ کو دمشق میں انکی وفات ہوئی انکی قرأت کے بھی دو راوی زیادہ مشہور ہیں:

ا ـــــ ایک ابو الولید ہشام ابن عمار السلمی الدمشقی۔ یہ دمشق کے اندر اپنے وقت کے امام، خطیب و مفتی تھے، فصیح بلیغ اور بہت ہی بڑے عالم تھے روایۃ کے ساتھ درایۃ۔ فطانت اور ذہانت کے بھی مالک تھے۔ خدائے قدوس نے طویل عمر کی نعمت سے بھی انہیں نوازا تھا۔ ۱۵۳ھ کو ان کی ولادت ہے اور ۲۴۵ھ کو انکی وفات ہے۔ علم حدیث کے بھی بہت بڑے عالم تھے اور مرجع خلائق تھے۔

ب ـــــ دوسرے ابو عمر عبد اللہ بن احمد ابن بشیر ابن ذکوان القریشی الفہری الدمشقی۔ یہ بھی اہل شام کے شیخ القراء تھے۔ جامع مسجد دمشق کے امام تھے۔ ان کے زمانہ میں شام، مصر، خراسان، عراق اور حجاز میں ان کے پایہ کا کوئی قاری نہیں تھا۔ ۱۷۳ھ میں انکی ولادت ہوئی اور ۲۴۲ھ میں انکی وفات ہے۔

۵ ـــــ ابو بکر عاصم بن بہدلۃ۔ الکوفی، کوفہ کے شیخ القراء تھے۔ حسن صوت کی نعمت سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔ فصاحت و بلاغت کی صفت سے موصوف تھے۔ زر بن جیش سے قرأت حاصل کی اور

زر بن حبیش نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن مسعود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے!

اور انکی دوسری سند یہ بھی ہے کہ امام عاصم نے عبداللہ بن حبیب السلمی سے قرأۃ حاصل کی اور عبداللہ نے حضرت علی حضرت عثمان، حضرت زید ابن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے قرآت حاصل کی اور ان تمام حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ انکی قرأت کے بھی دو راوی مشہور ہیں:

ا ـــــ ایک حفص ابن سلیمان الاسدی الکوفی۔ جو کہ امام عاصم کے ربیب تھے اور امام عاصم کی قرآت کے سب سے زیادہ عالم تھے اور انہی نام سے قرآت حفص مشہور ہے سنہ ۹۰ھ میں انکی ولادت ہوئی اور سنہ ۱۸۰ھ میں وفات۔

ب ـــــ دوسرے ابوبکر شعبہ ابن عیاش الاسدی الکوفی بہت ہی بڑے عالم اور باعمل تھے اہل السنت کے آئمہ میں اُن کا شمار ہوتا ہے قریباً سو سال کی عمر پائی سنہ ۱۹۲ھ میں انکی وفات ہوئی۔

۶ ـــــ ابو عمارہ حمزۃ ابن حبیب الکوفی التیمی۔ امام عاصم اور اعمش کے بعد یہ قرآت کے بہت بڑے عالم تھے۔ علم میراث کے اندر بھی ان کو بصیرت حاصل تھی۔ حافظ الحدیث تھے۔ زہد اور تقوی میں بہت بڑے مرتبہ پر فائز تھے۔ انہوں نے امام اعمش سے قرآت حاصل کی اور امام اعمش نے یحیٰی بن وثاب سے اور ابن وثاب نے زر ابن حبیش سے اور ابن حبیش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے! سنہ ۱۵۶ھ کو حلوان شہر میں انکی وفات ہوئی۔ ان کی قرآت کے بھی دو راوی مشہور ہیں۔

ا ـــــ خلاد ابن خالد الشیبانی الکوفی الصیرفی یہ اپنے وقت کے محقق تھے۔ سنہ ۲۲۰ھ اُن کی وفات ہوئی۔

ب ـــــ دوسرے ابو محمد خلف ابن ہشام البغدادی الاسدی۔ قراء عشرہ میں اُن کا شمار ہوتا ہے سنہ ۱۵۰ھ اُنکی ولادت ہوئی یہ بہت بڑے عالم زاھد تھے اور سنہ ۲۲۹ھ کو بغداد میں اُن کی وفات ہوئی۔

۷ ـــــ ابوالحسن علی ابن حمزۃ الکسائی النحوی۔ کوفہ کے اندر حمزۃ الزیات کے بعد قرآت کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام کسائی نحو کے بھی بہت بڑے عالم تھے بلکہ آئمہ نحو میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ استفادہ کرنے والے افراد کی کثرت اور ان کے ہجوم کے باعث ان کا طریق تعلیم یہ تھا کہ یہ منبر پر بیٹھ کر قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اور لوگ ان سے سنکر قرآت حاصل کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۹ھ کو طوس کے اندر انکی وفات ہوئی۔ ان کی قرآت کے بھی دو راوی مشہور ہیں۔

ا ـــــ ایک حفص ابن عمر ابن عبدالعزیز جو کہ امام ابو عمرو زبان ابن العلاء کی قرآت کے بھی راوی ہیں اور انھی کے ذیل میں اُن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ (بقیہ صـ ۳۹ پر)

ابوالکلام قاسمی
ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی
علی گڑھ

مولانا آزاد کا علمی اور تخلیقی اُسلوب نثر

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی ادبی اور دانشورانہ زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔ اس صحافت میں مولانا کی شخصیت کے ناگزیر اجزا سیاست، سماجی سوجھ بوجھ اور مذہب کے عناصر شامل تھے۔ صحافت سے شروع ہونے والے ادبی سفر کے مختلف مراحل تاریخ، تذکرہ، تفسیر اور انشائیہ نما مکاتیب تھے۔ ادبی اور اسلوبیاتی نقطۂ نظر سے مولانا آزاد کا پہلا دور لسان الصدق، الوکیل، الہلال، البلاغ سے ہوتا ہوا تذکرہ پر ختم ہوتا ہے۔ اور تذکرہ ہی وہ کتاب ہے جس میں ان کے علمی اور تخلیقی اسلوب نگارش کے دوسرے دور کے آغاز کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ تذکرہ کا تاریخی اور کسی حد تک صحافیانہ اندازِ تحریر مولانا کی اس موثر نثر کا بظاہر نقطۂ عروج ہے جو لسان الصدق سے لے کر الہلال تک عربی اور فارسی کے الفاظ و تراکیب کی جا و بے جا شمولیت، بلند آہنگی اور مرعوب کن ہیبت وجلال کے باعث اُس ناہمواری، غرابت اور اجنبیت کا بھی بہت کم احساس ہونے دیتی ہے جو ان کی ابتدائی نثر میں خاصی نمایاں ہے۔ اُس دور کی نثر میں ان کی خطیبانہ بلند آہنگی اور علمی شان اپنے ہزار رنگ جلوؤں کے ساتھ بکھری پڑی ہے۔ اُس میں جذبے کی شدت بھی ہے اور دعوت و عزیمت کی علوبیت بھی، اور پُر نثر مطالعہ، ذہنی استحضار اور قومی و ملی تشخص کا بھی احساس دلاتی ہے۔ مگر مولانا کی تحریروں کی یہ تمام خصوصیات اپنی عصری معنویت رکھنے کے باوجود ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر کی نثر کے درجۂ کمال تک نہیں پہنچتی۔ یہ وہ درجۂ کمال ہے جس کا نقطۂ آغاز تذکرہ کے بعض حصوں میں نظر آتا ہے، مگر تذکرہ کی نثر کا بھی غالب رجحان نہیں بن پاتا۔ اس طرح تذکرہ کی نثر مولانا کے ادبی سفر میں ایک موڑ، ایک تبدیلی اور ایک انحراف کے ابتدائی آثار کی نمایندگی کرتی ہے۔ اس کتاب میں خالصتاً صحافیانہ طرزِ نگارش کی بالادستی ضرور ہے مگر اسی کتاب میں بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جن کو نشانِ انحراف کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ تذکرہ میں اپنے بزرگوں اور ان کے متعلقین کے احوال و کوائف بیان کرتے ہوئے جب مولانا خود نوشت سوانح کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی نثر میں ایک ایسی تخلیقی شان پیدا ہو جاتی ہے جس میں شعری اور تخلیقی اظہار کے مختلف عناصر کو ایک ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> کبھی سرو کی بلند قامتی پر رشک آیا تو سربلندی و سرفرازی کے لیے دل خون ہوا۔ کبھی سبزۂ پامال کی خاکساری و افتادگی پر نظر پڑ گئی تو اپنے پندار و خود پرستی پر شرم آئی۔ کبھی بادِ صبا کی روش پسند آئی تو اقامت گزینی سے وحشت ہوئی، آوارگی و رہ نوردی کی دل میں ہوا سمائی۔ کبھی آبِ رواں کی بے قیدی و بے یقینی اس طرح جی کو بھائی کہ پابندیوں اور گرفتاریوں پر آنکھوں نے آنسوؤں اور دل نے زخموں کے ساتھ ماتم کیا۔ پھولوں کو جب کبھی مسکراتے دیکھا تو اپنی آنکھوں نے بھی رونے میں

کمی نرکی اور درختوں کو جب کبھی جنبش ہوئی، شاخوں نے جھوم جھوم کر وجد کیا، تو اپنی سنگینی اور بے حسی بھی ضرور یاد آ گئی۔"

اس اقتباس میں رعایت لفظی، حسن تراکیب، اور نت نئے انداز میں تشبیہی پیکروں کے ابھارنے کا انداز، مولانا کے ابتدائی پر شکوہ طرز نگارش اور علمی دبازت سے یکسر مختلف ہے۔ اس اسلوب تحریر کو علمی سے زیادہ تخلیقی اسلوب کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ تذکرے کے بعد مولانا کے جو نثری اسالیب ملتے ہیں وہ پورے طور پر مندرجہ بالا نثر ہی کے اسلوب کی توسیع ہیں۔ یہ اقتباس دراصل اس تبدیلی کا اشارہ ہے جو مولانا کی علمیت، بلند آہنگی اور خطابت کے ساتھ ان کی نثر میں تخلیقی اور شعری عناصر کی شمولیت کا پتا دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ صرف غبار خاطر میں ہی نہیں بلکہ ترجمان القرآن میں بھی موصوف کو جہاں کہیں مسائل و مباحث پر تفصیل سے اظہار خیال کا موقع ملا ہے، انھوں نے اپنی علمیت کے ساتھ سلاست بیان اور تخلیقی شان کے جوہر ضرور دکھلائے ہیں۔ یہ وہی سلاست بیان اور تخلیقی اسلوب نثر ہے جس کو بالعموم مولانا کی نثر نگاری کے پورے سیاق و سباق میں دیکھنے کے بجائے صرف غبار خاطر کے تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ اس طرز تنقید کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کی نثری خدمات کا دائرہ کار کم از کم ہم اردو ادب کا زاویۂ نگاہ رکھنے والوں کے لیے، عموماً مولانا کے انشائیہ نما مکاتیب اور مکتوب نما انشائیوں کے دائرے میں حصار بند ہو کر رہ گیا۔ البتہ جن معدودے چند نقادوں نے مولانا کی ابتدائی نثر کو موضوع بحث بنانے کی کوشش کی، انھوں نے پس منظر پر آتنی توجہ صرف کی کہ خود اصل منظر دھندلا ہو کر رہ گیا۔ مولوی عبدالحق اور محمد حسن عسکری نے آزاد کی نثر کو اردو نثر کے بنیادی سلسلۂ نسب سے دور قرار دیا اور اس پر غیر ضروری صناعی بلکہ مصنوعی زبان ہونے کا الزام عائد کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ان کے برخلاف ایک اور ہی زاویۂ نگاہ اختیار کیا۔ ان کو مولانا آزاد کا بنیادی اور سچا اسلوب الہلال اور البلاغ میں نظر آیا اور غبار خاطر ان کی نگاہ میں پژمردہ اور تھکے ہوئے اسلوب کی نمائندہ کتاب ٹھہری۔

> "ان کے بلند پایہ ادبی کارناموں میں غبار خاطر ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ابوالکلام کی اصلی نثر سے بہت دور ہے۔ اس میں ابوالکلام کی تصویر بہت مدھم اور دھیمی ہے۔ اس میں ابوالکلام کا قلم بیمار اور ضعیف معلوم ہوتا ہے .... پھر یہ بات بھی ہے کہ غبار خاطر میں ابوالکلام کی وہ علمی شان بہت کم نمودار ہوئی ہے جس کے طفیل وہ عزت وعظمت کے مستحق بنے تھے اور سچ یہ ہے کہ غبار خاطر اس داعیۂ عظیم اور جذبۂ شدید سے بھی خالی ہے جس کے شعلے الہلال میں مشتعل ہو کر اقصائے ہند میں آگ لگا چکے تھے۔ اردو ادب میں ابوالکلام کا امتیاز خاص ان کی بارعب اور پُر جلال نثر ہے جس کی روح، قوت اور توانائی، سخت کوشی اور دشوار پسندی میں مضمر ہے۔"
>
> (بحوالہ، زاویۂ نگاہ ۲۰۲ خلیل الرحمن اعظمی ص)

یہ نقائص اگر غبار خاطر کی نثر کے ہیں تو ترجمان القرآن کی نثر کے بھی ہیں، اور ان تمام مکاتیب ومضامین کی نثر کے بھی جو نثر مولانا آزاد کی ذہنی وفکری پختگی اور ایک کہنہ مشق نثر نگار کے اعتدال و توازن کے عہد کی پختگی اور حسن کی نمائندگی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صورت حال ایسی نہیں۔ اس لیے کہ غبار خاطر کا اسلوب نگارش کسی اچانک تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ اسلوب اس تدریجی ارتقا کی آخری کڑی ہے جس کا سلسلہ تذکرہ کے بعض مقامات سے شروع ہو گیا تھا (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا) اور جس اسلوب کو ترجمان القرآن لکھنے کے زمانے میں پختگی اور استحکام حاصل ہوا یہی سبب ہے کہ ترجمان

القرآن اور غبارِ خاطر کے نثری اسلوب میں بعض حیرت انگیز مماثلتیں ملتی ہیں۔ بسا اوقات یہ مماثلتیں موضوعات اور مضامین کی بھی ہیں۔ مگر دونوں کتابوں میں مولانا کا اسلوبِ نگارش اپنے موضوع سے ہی فیضان حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موضوعاتی مناسبت و مماثلت کے ساتھ اُن کے مخصوص اسلوب کی تشکیل کے عناصر بھی جس طرح دونوں جگہ یکساں ہیں اسی طرح تذکرہ سے پہلے کے اسلوب سے بڑی حد تک مختلف اور ممتاز بھی ہیں۔ سہولت کی خاطر ایک ہی موضوع پر اظہار کے دو نمونے ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر سے پیش کیے جا سکتے ہیں جس موضوع پر تذکرہ کے ایک اقتباس کو پیش کر کے آغازِ گفتگو میں مولانا کے بدلے ہوئے اندازِ نثر کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا غبارِ خاطر میں ایک جگہ اپنے گزرے ہوئے دنوں کا حساب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "..... جس نامرادہستی کو چودہ برس کی عمر میں زمانہ کی آغوش سے اس طرح چھین لیا گیا ہو، وہ اگر کچھ عرصہ کے لیے شاہراہِ عام سے گم ہو کر آوارۂ دشت وحشت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا .... اگرچہ قدم قدم پر ٹھوکروں سے دوچار ہونا پڑا اور چپہ چپہ پر رکاوٹوں سے الجھنا پڑا مگر طلب ہمیشہ آگے ہی کی طرف بڑھائے لے گئی اور جستجو نے کبھی گوارہ نہیں کیا کہ درمیانی منزلوں میں رُک کر دم لے لے۔ بالآخر دم لیا تو اس وقت جب منزلِ مقصود سامنے جلوہ گر تھی اور اس کی گرد راہ سے چشمِ تمنائی روشن ہو رہی تھی ____ تو بیس برس کی عمر میں جب کہ لوگ عشرتِ شباب کی سرمستیوں کا سفر شروع کرتے ہیں، میں اپنی دشت نوردیاں ختم کر کے تلووں کے کانٹے چن رہا تھا۔"
>
> (غبارِ خاطر، ۱۰۳)

ترجمان القرآن کے مقدمے میں مولانا اصولِ تفسیر سے بحث کرنے کے بعد ایک مفسر کی حیثیت سے جہاں ذہن اور زندگی کی ناقابلِ عبور وادیوں کو سر کرنے کا تعلّی آمیز ذکر کرتے ہیں اور گویہ زد اپنی اہلیت کا اعتراف کرانا چاہتے ہیں وہاں بھی ان کے اسلوبِ بیان میں علمیت کے ساتھ ساتھ وہی تخلیقی شان پیدا ہو جاتی ہے جو غبارِ خاطر میں جگہ جگہ دیکھنے میں ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "..... میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ایسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام فرسائی کرتا رہا ہوں ____ میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں اور تریاق کے نسخے بھی ہر دارالشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا۔" ترجمان القرآن (مقدمہ ۱۹)

• یہ بظاہر ایک درماندہ مسافر کی گرد سفر ہے، مگر درحقیقت تمام متخالف رجحانات اور عوامل سے ثابت و سالم نکل آنے کا فن کارانہ اعلان بھی ہے۔ یہ اعلان غبارِ خاطر کے مذکورہ بالا اقتباس میں بھی ہے۔ مگر اس میں وضاحت ہے، بلند آہنگی ہے اور کہیں کہیں خودستائی کی چھوٹ پڑتی نظر آتی ہے، ترجمان القرآن کے ان جملوں میں جو کچھ ہے وہ تحت البیان میں ہے۔ مگر جو بات دونوں اقتباسات میں مشترک ہے وہ ان کی تخلیقی شان ہے۔ اس تخلیقیت کو پیدا کرنے کے لیے شعری وسائل کا بھی سہارا لیا گیا ہے اور شعریت سے الگ ہو کر بیانیہ اور بیانیہ میں خودکلامی کی کیفیت بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش شعوری ہے یا غیر شعوری اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

ہے کہ اس لب و لہجے میں بات کہنے کی کوشش سے ہر چند کہ مولانا کی صحافتی نثر بھی محروم نہیں اور ابتدائی زمانے کی بعض دوسری تحریریں بھی۔ مگر اس نوع کی ابتدائی تحریروں پر ان کا بوجھل اسلوب غالب ہے۔ عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب جگہ جگہ غرابت لفظی پیدا کرتے ہیں اور کم و بیش وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے بعض اہلِ نظر مصنوعی طرز نگارش سے موسوم کر چکے ہیں۔ دورِ اول کی اس قسم کی تحریروں کے برخلاف ترجمان القرآن میں اُن کا اسلوب، فطری اظہار، اور غیر مصنوعی سلیقۂ گفتار کا احساس دلاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا کی نثر عربیت زدگی سے نجات یافتہ بھی ہے اور ساتھ ہی قرآنی آہنگ سے لبریز بھی ہے، مولانا کی نثر میں عربیت زدگی اور عربی لہجہ بالخصوص قرآنی آہنگ کے فرق کو محسوس کرنے کے لیے مولانا کے اداریوں سے لے کر تذکرہ کے بیشتر حصوں کو اول الذکر کی مثال کے طور پر، اور ترجمان القرآن اور غبار خاطر کی نثر کو موخر الذکر آہنگ سے مملو ہونے کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں زجر و توبیخ، عبرت و نصیحت اور استفہام و استعجاب کے جن لہجوں سے ہم دوچار ہوتے ہیں ان کی جھلک ان اقتباسات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا غبار خاطر میں ایک جگہ حکایت بادۂ تریاک، کے ذیل میں قدرتِ خداوندی کے بوقلموں جلووں کا نظارہ اس طرح کرتے ہیں:

"اندھیری راتوں میں جب آسمان کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں تو صرف قیدخانے کے باہر ہی نہیں چمکتیں، اسیرانِ قید و محن کو بھی اپنی جلوہ فروشیوں کا پیغام بھیجتی رہتی ہیں۔ صبح جب مسکراتی ہوئی آئے گی اور شام جب شفق کی گلگوں چادریں پھیلانے لگے گی تو صرف عشرت سراؤں کے دریچوں ہی سے ان کا نظارہ نہیں کیا جائے گا، قیدخانے کے روزنوں میں لگی ہوئی نگاہیں بھی انھیں دیکھ لیا کریں گی۔ فطرت نے انسان کی طرح کبھی یہ نہیں کیا کہ کسی کو شادکام رکھے، کسی کو محروم کر دے۔ وہ جب کبھی اپنے چہرے سے نقاب الٹتی ہے تو سب کو یکساں طور پر نظارۂ حسن کی دعوت دیتی ہے۔ یہ ہماری غفلت اندیشی [redacted] نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں اور صرف اپنے گرد و پیش میں کھوئے رہتے ہیں۔" (غبار خاطر ۶۹)

نثر کا یہ لہجہ جہاں مولانا کے خطیبانہ طرز اظہار کا مونہ ہے وہیں لفظوں کی نشست و برخاست اور جملوں کا در و بست اس قرآنی اسلوب سے بھی ہم آہنگ ہے جس کا سراغ ان کو تفسیر قرآن لکھنے کے دوران میں ملا تھا اور اسی اثنا میں مولانا نے اپنے دوسرے دور نگارش کو اپنے مخصوص، پختہ اور منفرد اسلوب کی شکل میں استحکام بخشا تھا۔ اس بات کی توثیق ترجمان القرآن کے مختلف مباحث کی نثر سے کی جا سکتی ہے، سردست ایک ایسے نمونے پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کا انداز تحریر محولہ بالا اقتباس سے بڑی حد تک مماثل ہے۔

"چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے، کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں، مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں، پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں، پھول باغ میں کھل رہے ہیں، ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں، لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضانِ ربوبیت سے محروم ہو۔"

یہ کیوں ہے کہ پہلے سورج کی شعاعیں سمندر سے ڈول بھر بھر کر فضا میں پانی کی چادریں بچھا دیں، پھر ہواؤں کے جھونکے انھیں حرکت میں لائیں اور پانی کی بوندیں بنا بنا کر ایک خاص وقت اور خاص محل میں برسا دیں .... کیوں ایسا ہوا کہ

"پہلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے تودے جمتے ہیں۔ پھر موسم کی تبدیلی سے پگھلنے لگتے ہیں، پھر ان کے پگھلنے سے پانی کے سرچشمے اُبلنے لگتے ہیں، پھر چشموں سے دریا کی جدولیں بہنے لگتی ہیں، پھر جدولیں پیچ و خم کھاتی ہوئی دور دور تک دوڑ جاتی ہیں اور سیکڑوں ہزاروں میلوں تک اپنی وادیاں شاداب کر دیتی ہیں۔"

(ترجمان القرآن صفحہ ۳۶، ۳۸)

یہ نثر غبارِ خاطر کے انشائیے کی نثر نہیں بلکہ ترجمان القرآن کے اس حصے کی نثر ہے جس میں مولانا نے ربوبیتِ باری کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے علمی، استدلالی اور تخلیقی اسلوب کو قرآنی آہنگ کے زیر و بم سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اس اسلوب میں کبھی خطاب کی لذت ملتی ہے، تو کبھی رجزیہ انداز کی حرکت، اس میں دیکھی ہوئی دنیا کو نئے زاویوں سے دکھانے کی کوشش بھی ہے اور حافظے اور حواس کو استعمال کرنے کی ترغیب بھی۔ یہ اگر صرف خطابیہ انداز پر مبنی نثر ہوتی تو اس میں صرف تکرار اور بلند آہنگی سے کام لیا گیا ہوتا۔ جب کہ اس میں حقائق، ایک دوسرے کے بعد مسلسل بیان ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر تمام حقائق کو کسی کلیے کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں نثر کے ایسے نمونے ان گنت ہیں اور غبارِ خاطر کی نثر واضح طور پر اسی نثری اسلوب کی توسیع ہے۔ غبارِ خاطر میں مولانا اگر اپنے مکتوب الیہ سے ہم کلام ہوتے ہیں تو مکالماتی فضا پیدا کر دیتے ہیں اور جب آزادانہ طور پر اس صنف مکتوب یا صنف انشائیہ کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں، تو ان کا انداز خود کلامی کا ہو جاتا ہے۔ اس طرح غبارِ خاطر کا معتدبہ حصہ مکالمے اور خود کلامی کے لب و لہجے کا بھی احساس دلاتا ہے، مگر یہ لب و لہجہ مولانا کے بنیادی علمی، استدلالی اور خطیبانہ لہجے کا ہمزاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم یہی مستزاد عنصر ان کی نثر کو تخلیقی نثر کی بعض نئی جہات سے بھی آشنا کرتا ہے۔ ان جہات کا سراغ سب سے پہلے ترجمان القرآن کی نثر میں کیوں کر لگایا جا سکتا ہے اس کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ کہیں ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر کے متذکرہ بالا اقتباسات میں اسلوبیاتی مماثلت محض اتفاقی تو نہیں ہے؟ اس سلسلے میں موضوعاتی یکسانیت ہماری زیادہ مدد کر سکتی ہے۔

ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر کو اگر زمانی بُعد کے ساتھ نہ پڑھا جائے اور ایک ساتھ دونوں کو سامنے رکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ تقریباً پندرہ بیس سال کے فرق سے لکھی جانے والی تحریروں میں موضوع اور اظہار کی ہم آہنگی کس حد تک دونوں کتابوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیتی ہے۔ یہ بات تو کسی کی نگاہ سے مخفی نہیں کہ مولانا آزاد نے خواہ صحافیانہ مضامین لکھے ہوں، تقریریں کی ہوں، مختلف موضوعات پر کتابچے لکھے ہوں، انشائیہ نگاری کی ہو، خطوط لکھے ہوں یا تفسیر قرآن لکھی ہو، وہ ہر جگہ اپنے عالمانہ اور مذہبی منصب پر فائز نظر آتے ہیں، اس لیے اگر ترجمان القرآن کے مباحث و موضوعات، حتیٰ کہ اسلوبِ تحریر کی گونج ان کی بعد کی تحریروں میں نمایاں معلوم ہوتی ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اب رہی موضوعاتی مناسبت اور تعلق کی بات، تو ترجمان القرآن میں ربوبیت کی کوئی بحث پڑھ جائیے اور پھر غبارِ خاطر میں خالق و مخلوق کے رشتے پر مختلف خطوط کے مباحث پر نگاہ ڈال لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ ہر جگہ ترجمان القرآن کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ اسی طرح خدا کے وجود، توحید اور تخلیقِ عالم کے موضوعات کا معاملہ بھی ہے۔ مندرجہ ذیل دو مثالوں سے اس موضوعاتی مناسبت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا غبارِ خاطر میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ کیا بات ہے کہ انسان خدا کے ماورائے تعقل اور غیر شخصی تصور پر قانع نہیں رہ سکا اور کسی نہ کسی شکل میں اپنے فکر و احساسات کے مطابق ایک شخصی تصور پیدا کرتا رہا ـــــــ اس کی علت بھی یہی ہے کہ انسان کی فطرت کو بلندی

کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی پیاس بغیر ایک متشخص اور علائق نواز تصور کے بجھ نہیں سکتی۔ حقیقت کچھ ہی ہو، لیکن یہ تصور جب کبھی اس کے سامنے آئے گا تو تشخص کی ایک نقاب چہرہ پر ضرور ڈال لے گا۔ یہ نقاب کبھی بھاری رہی، کبھی ہلکی ہوگئی، کبھی ڈرانے والی رہی، کبھی لُبھانے والی بن گئی۔ لیکن چہرے کبھی اُس کی نہیں، اور یہیں سے ہماری دیدۂ صورت پرست کی ساری درماندگیاں شروع ہوگئیں۔" (غبارِ خاطر ۱۱۹)

اسی موضوع پر ترجمان القرآن میں وہ اس طرح اظہارِ خیال کر چکے ہیں:۔

"عقلِ انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرے میں محدود ہے، اس لیے اس کا تصور اس دائرے سے باہر قدم نہیں نکال سکا۔ وہ جب کسی ان دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصور کرے گی تو ناگزیر ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں گی جنھیں وہ دیکھتی اور سنتی ہے اور جو اس کے حاسۂ ذوق و لمس سے باہر نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کبھی ذہنِ انسانی نے خدا کی صورت بنانی چاہی تو ہمیشہ وہی بنائی جیسی صورت خود اس نے اور اس کے احوال و ظروف نے پیدا کر لی تھی۔ جوں جوں اس کا معیارِ فکر بدلتا گیا وہ اپنے معبود کی شکل و شباہت بدلتا گیا۔ اسے اپنے آئینۂ تفکر میں ایک صورت نظر آئی تھی، وہ سمجھتا تھا یہ اس کے معبود کی صورت ہے، حالانکہ وہ اس کے معبود کی صورت نہ تھی خود اسی کے ذہن و صفات کا عکس تھا۔ فکرِ انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی۔"

(ترجمان القرآن ۱۳۲)

ہرچند کہ ان دونوں اقتباسات میں موضوع کی یکسانیت بھی ہے اور ان کے لب و لہجے پر مولانا آزاد کے مخصوص اسلوبِ نثر کی چھاپ بھی، مگر یہ دونوں نمونے ان کے ممتاز ترین اندازِ نگارش کی نمائندگی نہیں کرتے۔ ان دونوں نمونوں میں جو مناسبت ہے وہ مواد کی ہے، لفظیات کی ہے اور طرزِ فکر کی ہے۔ اور یہ مناسبت بھی اسی مفروضے کو پایۂ اعتبار تک پہنچاتی ہے کہ غبارِ خاطر کی شکل میں سامنے آنے والی بعد کی تحریروں میں اُسی فکری، علمی اور ادبی شخصیت کا ارتفاع نظر آتا ہے، جس کی تشکیل کے عناصر ترجمان القرآن لکھنے کے عمل کے ساتھ ساتھ اعتدال و استحکام کی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ورنہ کیا سبب ہے کہ 'غبارِ خاطر' میں زیرِ بحث آنے والی 'دیدۂ صورت پرست کی درماندگی' کا مسئلہ ترجمان القرآن میں 'فکرِ انسانی کی پہلی درماندگی' کے لفظوں میں بہت سے موجود دکھائی دیتا ہے۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ فطرت کے یکساں فیضانِ قدرت کا نکتہ غبارِ خاطر میں نظامِ قدرت کے تحت جاری و ساری مساوات اور نظارۂ حسنِ فطرت کی بلا تفریق دعوت کے عنوانات سے بار بار ہمارے ذہن کو ترجمان القرآن کے مباحث و مسائل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کیا اس نوع کی ان گنت مماثلتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار آسان ہے کہ ترجمان القرآن سے حاصل ہونے والی بصیرت ہی مولانا آزاد کے بعد کے اسلوبِ نگارش اور اسلوبِ فکر کے لیے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کی ابتدائی علمی و ادبی کاوشیں بھی اپنی معاصر علمی و ادبی سرگرمیوں کے سیاق و سباق میں درجۂ اول کے درجے میں شمار کی جانے لگی تھیں، مگر خود مولانا کے اپنے ذہنی، فکری اور ادبی ارتقا میں وہ کون سا مرحلہ تھا جسے نقطۂ عروج کا نام دیا جا سکتا ہے؛ اس سوال کا جواب بالعموم غبارِ خاطر کے حوالے سے دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، یا پھر ان کے اسلوبِ نگارش

نے مطالعہ میں ارتقائی مراحل کو ہی نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد نے شروع سے ہی علمی اور صحافتی دنیا میں اپنی انفرادیت کے نقوش مرتسم کر دیئے تھے، مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ ان کی ابتدائی انفرادیت، ان کے خاندانی پس منظر، علم و فضل اور مجتہدانہ انحراف کی رہین منت تھی۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ مولانا کے اظہار کے تمام وسائل میں ان کی ناپختہ انفرادیت اور جدت اس حد تک حیرت خیز اور مرعوب کن تھی کہ ان کی ابتدائی ناہموار نثر اور بوجھل اسلوب تحریر کو ہی ان کے بنیادی اسلوب کا نام دیا جاتا رہا۔ اس خلط مبحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا آزاد کے ابتدائی زمانے کی نثری کاوشوں پر جو فیصلے صادر کیے گئے ان ہی کا اطلاق مولانا کے متوازن، مدلل اور اسلوبیاتی نقطۂ نظر سے عمدہ ترین نمونوں پر بھی کر دیا گیا۔ جب کہ اس نوع کے نثری نمونے تذکرہ [illegible] کے بعد کی تحریروں میں سامنے آنا شروع ہوئے تھے۔ چونکہ اس نوع کے غیر معمولی نثری اسلوب نگارش کی نمائندگی سب سے پہلے ترجمان القرآن میں اور بعد میں (خصوصیت کے ساتھ) غبار خاطر میں ملتی ہے۔ اس لیے اگر مولانا آزاد کی نثر نگاری کے ارتقا کو ان کے ذہنی اور ادبی سفر کے پورے سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمان القرآن سے پہلے کی نثر ان کے اسلوب بیان کی تشکیل کے دور کی نمائندگی کرتی ہے اور ترجمان القرآن کے بعد کی نثری نگاری خواہ وہ رام گڑھ کے تحریری خطبۂ صدارت (کانگریس) کی نثر ہو یا غبار خاطر کی، ترجمان القرآن کے پختہ علمی اور تخلیقی اسلوب کی توسیع ہے۔

ترجمان القرآن کے اسلوب بیان کی چند مثالیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں، مگر ان مثالوں میں علمی، خطیبانہ اور عربی آہنگ زیادہ نمایاں ہے جب کہ تخلیقی انداز بیان کو اوپری سطح کے بجائے زیریں لہروں کے طور پر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی تفسیر میں اُس کی تخلیقی نثر کے بھی عمدہ ترین نمونے ملتے ہیں جن کی تشکیل میں شعری اور جمالیاتی محرکات زیادہ اہم کردار ادا کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ نمونے علمی اور استدلالی شان سے بھی محروم نہیں ہیں اور ان میں اثر انگیزی اور سحر طرازی کی غیر معمولی قوت بھی پنہاں ہے۔

> "جس دنیا میں سورج روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی ہو اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو۔ جس کی بہاریں سبزہ و گل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گرانبار ہوں، جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بیزی اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو۔ کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسائش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے۔" (ترجمان القرآن ۷۴)

> "اگر سمندر میں طوفان نہ اُٹھتے تو میدانوں کو زندگی و شادابی کے لیے ایک قطرۂ بارش میسر نہ آتا۔ اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا۔ اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ اس کرہ کی تمام سطح کو پارہ پارہ کر دیتا۔ تم بول اُٹھو گے، یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشو و نما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہو جاتا۔"
>
> (ترجمان القرآن ۶۹)

"ہر قوت استعداد ڈھونڈھ رہی ہے اور ہر تاثیر اثر پذیری کے انتظار میں ہے جوں ہی کسی وجود میں بڑھنے اور نشو و نما پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ معاً تمام کارخانۂ ہستی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ سورج کی تمام کارفرمائیاں، فضا کے تمام تغیرات، زمین کی تمام قوتیں، عناصر کی تمام سرگرمیاں صرف اس انتظار میں رہتی ہیں کہ کب چیونٹی کے انڈے سے ایک بچہ ہوتا ہے اور کب دہقان کی جھولی سے زمین پر ایک دانہ گرتا ہے۔" (ترجمان القرآن ۳۹)

ان اقتباسات میں شعری اور جمالیاتی محرکات کی کارفرمائی نے کیوں کر سحر کارانہ تاثر کا اعجاز پیدا کیا ہے اس کا راز دراصل قرآنی لب و لہجہ کے ساتھ قوت متخیلہ کی شمولیت میں مضمر ہے یہی تخیلی قوت سمندر کے طوفان اور بارش کے قطرے کو، بادل کی گرج اور فیضان رحمت کو، پہاڑوں کی آتش فشانی اور سطح زمین کے توازن کو، اور چیونٹی کے انڈے سے نکلنے والے بچے اور دہقان کی جھولی سے گرے ہوئے دانے، جیسے غیر متعلق اور قدرے مختلف مظاہر فطرت کو، ایک دھاگے میں پرو دیتی ہے۔ تخیل کی یہی کارفرمائی ہے جو تفسیر قرآن میں قرآنی آہنگ کے ساتھ انضاف اور ایک تخلیقی اپج رکھنے والے ذہن کی ہمہ جہت بصیرت، کو ایک ساتھ، اسلوب فکر اور اسلوب نثر کا مظہر بنا دیتی ہے۔ ان اقتباسات میں حسی پیکروں کی مدد سے قاری کے جملہ حواس کو متحرک کرنے کی طاقت بھی ہے اور بعض مجرد حقائق کو مجسم بنا کر پیش کرنے کی تمثیلی شان بھی۔ ترجمان القرآن کی علمی اور تخلیقی نثر کے ان نمونوں کو سامنے رکھ کر، اگر غبار خاطر کے اُن حصوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں خطیبانہ انداز اظہار کے ساتھ ساتھ شعری اور جمالیاتی طریق کار کی کارفرمائی نمایاں ہے، تو بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے ترجمان القرآن میں متعین ہونے والے اسلوب کو بعد میں کن جہات سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔

"کار باہر نکل تو صبح مسکرا رہی تھی، سامنے دیکھا تو سمندر اُچھل اُچھل کر ناچ رہا تھا۔ نسیم صبح کے جھونکے احاطے کی روشنی میں پھرتے ہوئے ملے، پھولوں کی خوشبو چُن چُن کر جمع کر رہے تھے اور سمندر کو بھیج رہے تھے کہ اپنی ٹھوکروں سے فضا میں پھیلاتا رہے۔" (غبار خاطر ۲۲)

"جس مرقع میں سورج کی چمک، درختوں کا رقص، پرندوں کا نغمہ، آب رواں کا ترنم اور پھولوں کی رنگین ادائیں، اپنی اپنی جلوہ طرازیاں رکھتی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ فطرت کی اُس بزم نشاط میں تو وہی زندگی سج سکتی ہے جو ایک دھکتا ہوا دل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو اور جو چاندنی میں چاند کی طرح نکھر کر، ستاروں کی چھاؤں میں ستاروں کی طرح چمک کر، پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح کھل کر اپنی جگہ نکال سکتی ہو۔" (غبار خاطر ۶۰)

" احاطے کے شمالی کنارے میں

" احاطے کے شمالی کنارے میں ایک پرانی لٹی ہوئی قبر ہے، نیم کے ایک درخت کی شاخیں اس پر سایہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر کامیاب نہیں ہوتیں۔"
(غبار خاطر ۳۰)

"مغربی رُخ کے تمام کمرے کھلے اور چشم براہ تھے، قطار کا پہلا کمرہ میرے حصے میں آیا، میں نے اندر قدم رکھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ چارپائی پر کہ بچھی ہوئی تھی، دراز ہوگیا۔ نو مہینے کی نیند اور تھکن میرے ساتھ بستر پر گری"

(غبار خاطر، ۳۰)

غبارِ خاطر کے شعری اور جمالیاتی طریق کار کے جو نمونے ان چند اقتباسات میں ملتے ہیں ان کا سلسلہ مزید مثالوں سے دراز تر کیا جاسکتا ہے اور بتایا جاسکتا ہے کہ جہاں مولانا نے تاج محل کے در و دیوار اور گنبد و مینار کو اپنی ستار نوازی اور نغمہ سرائی سے مسحور اور عالم وجد میں دکھانے کی کوشش کی ہے یا جہاں چڑیا چڑے کی کہانی میں ایک نوآموز طائر بچے کو قوت پرواز سے آشنا ہوتے ہوئے دیکھا ہے وہاں اور اس طرح کے دوسرے غیر معمولی نثر پاروں میں، محولہ بالا مثالوں کی طرح، ان کے تخلیقی جوہر کے کیا کیا عناصر اپنا رول ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ تاہم مختصراً یہ ضرور عرض کیا جاسکتا ہے کہ اس نوع کے تمام نثر پاروں میں حسن تعلیل، تمثیل نگاری، پراڈوکس کا استعمال اور بصری اور سمعی پیکریت اس حد تک شامل ہوگئی ہے کہ جگہ جگہ نثر اور شاعری کی تفریق تک مٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی توجیہہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ نثر نگار جو تفسیر اور اصول تفسیر کی سخت پابندیوں میں بھی اپنے مخصوص علمی اور تخلیقی اسلوب نگارش کے جوہر دکھا چکا ہے وہ اپنے مکاتیب اور انشائیوں جیسی آزاد اصناف میں اپنی افتاد طبع اور جمالیاتی شعور کو استعمال کرکے نثر اور شعر کی روایتی حد فاصل کو کیونکر عبور نہیں کرسکتا۔ اس موقع پر اگر ڈگلس I.H.DOUGLAS کے ایک تجزیے کے دو نتائج کی مدد لیں تو بات مزید واضح ہوسکتی ہے۔ وہ مولانا کے دانش ورانہ اور مذہبی مزاج کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے مولانا کے ذہن کو اس طرح سمجھتا ہے۔

"آزاد کے اندازِ نگارش اور شعری پیکر تراشی سے پتا چلتا ہے کہ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز جذباتی زیادہ ہے اور عقلی کم ہے"

"مذہب کے سلسلے میں آزاد کا ادراک ایک منضبط ذہن کے ماہر دینیات کا نہیں بلکہ ایک شاعرانہ ذہن رکھنے والے شخص کا ہے"

I.H.DOUGLAS(p.204A.K.A.INTELLECTUAL AND RELIGIOUS BIOGRAPHY)

ان دونوں باتوں سے مولانا آزاد کی نثر نگاری پر کسی براہ راست فیصلے کا تو ثبوت نہیں ملتا مگر بالواسطہ طور پر اُس تخلیقی ذہن کو سمجھنے میں پوری مدد ملتی ہے جو ان کی نثر میں جذبے کی شمولیت اور شاعرانہ پیکر تراشی کے وسیلے سے تخلیقی شان پیدا کر دیتا ہے، اور یہی ذہن جب مذہبی مباحث میں اپنے ذہن کی اس مخصوص رو کو شامل کر دیتا ہے تو ترجمان القرآن، کی نثر بھی اپنے تمام علمی اور استدلالی رنگ و آہنگ کے باوجود ایک تخلیق کار کے قلم کا کرشمہ دکھائی دینے لگتی ہے۔

ان معروضات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد کی شخصیت میں چونکہ علمی، مذہبی اور قرآنی روایت کے ساتھ ساتھ، شاعرانہ افتاد طبع اور جمالیاتی ذوق کے محرکات بھی بخوبی ہم آمیز تھے، اس لیے ان کے اندازِ فکر میں ہی نہیں بلکہ اسلوب اظہار میں بھی علمی روایت اور تخلیقی مزاج کا عمل مشترک طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ روایت اور انفرادیت کی اس آمیزش کا پہلا اور بھرپور نمونہ ترجمان القرآن کے اسلوب تحریر اس لیے بھی نظر آتا ہے کہ ترجمان القرآن کے مباحث کا موضوع مولانا کے روایتی اندازِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے اور ان محرکات کو بھی رو بہ عمل لانے کا موجب بنتا ہے جو مولانا آزاد کی افتاد طبع اور جمالیاتی ذوق کا حصہ تھے۔ (بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

خادم حسینؔ

عاشق حسین بٹالوی کی یادیں

ہفت روزہ

" ندا " کی اشاعت ۱۲ دسمبر اور ۱۹ دسمبر ۱۹۸۹ئہ میں جعفر قاسمی کا ایک مضمون چھپا ہے جس میں عاشق حسین بٹالوی کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ کچھ ادبی، کچھ معاشرتی۔ اور کچھ سیاسی ــــــ جعفر قاسمی صاحب نے بٹالوی صاحب کے ساتھ عرصہ گزارا ظاہر ہے، ایک آدمی دوسرے آدمی سے متاثر ہوتا ہے تو اُس کے بارے میں تعریفانہ انداز اختیار کرتا ہے مگر بقول شورش " بعض اوقات خوبصورت چہرے آنکھوں کو اور خوبصورت الفاظ کانوں کو دھوکا دے جاتے ہیں"۔ قاسمی صاحب کے قلم نے اگر بٹالوی صاحب کے متعلق دھوکا نہیں کھایا اور اُن کی تحریر واقعی مبنی بر حقیقت ہے، تو پھر اِس مضمون میں بیان کردہ واقعات و حالات خود شاہد ہیں کہ بٹالوی صاحب کی زندگی، قول و فعل اور کردار و گفتار کے لحاظ سے بہت سے تضادات کا مجموعہ تھی۔ بٹالوی صاحب کی موت کے بعد اِس تجزیئے کی چنداں ضرورت نہ تھی، مگر آنے والی نسل کو غلط فہمی سے بچانے اور مستقبل کے مؤرخین کو تاریخی ناانصافی سے دُور رکھنے کے لئے متذکرہ بالا مضمون کا مختصر سا جائزہ نذرِ قارئین ہے ــــــ قاسمی صاحب نے تحریر کیا ہے :

"مذہب کے بارے میں حتیّ الوسع وہ دِل آزاری سے کوسوں دُور رہے۔ بالعموم حافظ کا یہ شعر اُن کی رواداری اور رحم پر صادق آتا تھا ؎

" مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعتِ ما جز ازیں گناہے نیست"

اور اسی کے ساتھ ہی قاسمی صاحب نے بٹالوی صاحب کی مذہب آزاری اور دُوسروں کی دِل آزاری کے واقعات بھی خود ہی تحریر کئے ہیں :

" مولانا عبدالمجید سالک چیف ایڈیٹر " اسلامک ریویو " لندن۔ نجی گفتگو میں خیر القرون کی بعض شخصیتوں کے بارے میں غلط کلامی کے مرتکب ہوتے تھے۔ جس کے زیرِ اثر عاشق صاحب نے ایک بار بی بی سی اُردو

ھاؤسس کی کنیٹین میں بعض نامناسب باتیں کیں۔ میں نے اُن کی تردید کی۔ اور اسس سے روکا۔ جب وہ نہ مانے تو میں نے کہا کہ آج سہ پہر آپ کی بی بی سی پر تقریر ہے۔ آپ یہی خیالات نشر کر دیجئے۔ اسس کے بعد کافی دیر تک وہ ساکت وصامت رہے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ بہت بعد کو معلوم ہُوا کہ سکول آف اورینٹیل اینڈ افریکن سٹڈیز" کی کنیٹین میں بھی بعض پاکستانی طلبہ سے بھی تلخ کلامی ہوئی تھی۔ جس کے ایک آدھ دن بعد کسی من چلے نے عاشق صاحب سے کہا کہ ایک پٹھان چھُرا لئے آپ کی تلاشس میں ہے۔ تو وہ ہفتہ بھر گھر سے باہر نہ نکلے۔"

"مَیں نے جب داڑھی رکھی۔ تو عاشق صاحب کو اچھی نہ لگی۔ کہنے لگے، قاسمی صاحب! کیا آپ بہردپیئے ہیں ؟" اسس سوال کا جواب خاموشی کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔"

"ایک بار بیئر سے شوق فرما کر وہ پَب سے باہر آ رہے تھے۔ تبلیغی جماعت کے ایک سیّاح مبلغ نے انہیں راستے میں روکا بڑے ادب سے سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ انہیں جیسا کہ تبلیغی بھائیوں کا دستور ہے۔ خود کلمہ پڑھ کر سُنایا۔ پھر اُسی کا ترجمہ پیش کیا۔ اور بعد ازاں یہی کچھ عاشق صاحب سے سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بپھر گئے۔ تبلیغ کرنے آئے ہو وہ سامنے شراب خانہ ہے۔ اُس کے اندر کافر انگریزوں کو دعوتِ اسلام دو۔ ویسے تم نے یہاں آنے پر کتنا روپیہ خرچ کیا؟ اُس مسکین نے تفصیل بتائی تو اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ تمہیں اس اسراف پر شرم نہ آئی۔ اس رقم سے کسی محتاج کی بیٹی کے ہاتھ پیلے کئے ہوتے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ کیا لینے آئے ہو یہاں؟ ہونق! بھاگو، ورنہ......"

"کسی زمانے میں عاشق بٹالوی صاحب بھی بعض مذہبی خیالات سے کُھل کھیلتے تھے۔ تاہم زندگی کے اسس آخری دَور میں اُن میں دین کے ناتے شوخی اور شرارت پہلے جیسی نہ رہی تھی۔"

ایک جگہ قاسمی صاحب رقم طراز ہیں :

"عاشق صاحب مداہنت کے بغیر صلح کل مسلک کے حامل تھے۔ وہ کٹر مسلم لیگی بھی رہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بعض غیر مسلم لیگی اکابر کا بے حد احترام کرتے تھے۔ علامہ مشرقی کی ذہانت اور دیانت دونوں کے قائل تھے۔ امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری کی جرأت اور بے نفسی کے بہت مدّاح تھے۔ اور جماعت اسلامی کے اکابر میں سے ملک نصر اللہ خاں عزیز کے اعلیٰ صحافیانہ کردار، خوش خلقی اور

ظرافت کی بہت تعریف کیا کرتے تھے ۔"

"پاکستان میں اپنی آخری اقامت کے دَوران ...... وہ جناب محمد حنیف رامے کی اہلیہ شاہین رامے کی وفات کے بعد اظہارِ تعزیت کے لئے بطورِ خاص گئے .... اُن کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ..... رامے صاحب دوبارہ پیپلز پارٹی سے وابستہ ہونے والے ہیں ...... عاشق صاحب کا ردِّ عمل معاندانہ نہ تھا ۔ وہ اِس معاملے میں بہت وسیع النظر واقع ہوئے تھے ۔ کوئی کون سی سیاسی جماعت کو پسند کرتا ہے یہ اُس کا ذاتی معاملہ ہے ۔"

دُوسری جگہ قاسمی صاحب نے بٹالوی صاحب کی ایسی باتیں بیان کی ہیں جن سے اُن کی اِس صُلح کل مسلک کی خود ہی تردید ہوجاتی ہے ——— لکھتے ہیں :

"بیوروکریسی میں چند افراد انہیں ناپسند تھے ۔ بالخصوص مرحوم ایس ایم اکرام اور قدرت اللہ شہاب کو بہت ناپسند کرتے تھے ۔ اوّل الذکر کی علمی وجاہت کے وہ ہرگز قائل نہ تھے ۔ اور مؤخر الذکر سے انہیں گِلہ تھا کہ انہوں نے لندن میں پاکستانی سفارت خانے کے ذریعے اُن کی (عاشق حسین بٹالوی صاحب) کی ایک تعلیمی سکیم چُرالی تھی ۔"

" مولانا ابوالکلام آزاد سے اُنہیں خاص کَد تھی ۔ وہ موقع بے موقع اُن کے اِستہزا سے لطف اندوز ہوتے تھے ۔ اُنہیں اُن سے گلہ تھا کہ وہ پنجابی الاصل پیرزادے ہونے کے باوجود مکّی اور دہلوی ہونے کا تاثر دیتے ہیں ۔"

" وہ ہندو کانگریس کی قیادت سے بھی نالاں تھے ۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تو وہ سخت مخالف تھے ۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی وہ مسلم لیگ کو معصوم اور خطاؤں سے مبّرا نہیں سمجھتے تھے ۔ قائدِ اعظم کے انتہائی احترام کے باوجود اُن کے سیاسی تجزیوں اور فیصلوں کے بارے میں ناخوش تھے ۔"

ایک جگہ قاسمی صاحب لکھتے ہیں :

" ہمارے یہاں سوءِ ظن کا بہت رِواج ہے ۔ اور انگریزی محاورے کے بقول ہم نتائج تک چھلانگ لگانے کے خوگر ہیں ۔ اپنی پریکٹس کے دَوران میں اعجاز صاحب (برادر عاشق حسین بٹالوی) قادیانیوں کے وکیل رہے ہیں ۔ اِس سے اُن کے عقیدہ کے بارے میں غلط رائے قائم کی گئی ۔ حالانکہ اِس بٹالوی خاندان کے افراد صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان ہیں ۔"

دُوسری طرف قاسمی صاحب نے قادیانی اکابر سے عاشق صاحب کے درجِ ذیل تعلقات کا ذکر کر کے خود ہی اپنی مذکورہ بالا بات کا ردّ مہیّا کر دیا ہے۔ تحریر کرتے ھیں :

"قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اُن کی ملاقات مرزا البشیرالدین محمودؔ سے ہوئی جو قادیان سے لاہور آمد پر انہیں وھاں دیکھ کر بہ تکرار کہنے لگے۔" آپ آگئے ؟ آپ آگئے ؟" اور بعد کو ایک خصوصی ایلچی کے ہاتھ رُقعہ بھیجا۔ اور پانچ سو روپے بطورِ اعانت پیش کیے۔ یہی رقعہ آگے چل کر سر ظفراللہ خان کے ساتھ اُن کے گہرے دوستانہ مراسم کا سبب بنا۔"

"چوھدری ظفراللہ خان کے ساتھ اُن کے خصوصی مراسم تھے۔ یُوں تو بٹالہ اور قادیان کے قُربِ مکانی کے باعث بہت سے اصحاب کے باھمی تعلّقات اِنفرادی یا خاندانی حوالوں سے ممکن رہے ھیں۔ تاھم چودھری سر ظفراللہ خاں کے ساتھ عمیق اور پائیدار وابستگی کی اصل وجہ وہ رقعہ تھا جس کا ذِکر اُوپر آچکا ہے۔ یہ رقعہ عاشق صاحب کو احمدی کمیونٹی کے تیسرے مذہبی پیشوا مرزا بشیرالدین محمودؔ نے قیامِ پاکستان کے معاً بعد، وُرودِ لاہور کے موقع پر لکھا تھا۔ عاشق صاحب نے جب اِس کا ذکر چودھری صاحب سے کیا تو وہ نہ مانے۔ اِس بنا پر کہ اُن کے حضرت صاحب بطورِ معمول ایسے حضرات کو ہمیشہ اپنے پرائیوٹ سیکرٹری کے ذریعہ خطوط یا پیغامات بھجواتے تھے۔ تاھم جب وہ رقعہ پیش کیا، تو چودھری صاحب فرطِ عقیدت سے آبدیدہ ہوگئے۔ اُسے چُوما۔ آنکھوں سے لگایا۔ اور فرمائش کی کہ یہ رقعہ اُن کو مرحمت کر دیا جائے۔ عاشق صاحب نے اُن کی فرمائش پُوری کر دی اور اِس طرح ایک لازوال دوستی وجود میں آگئی۔ چودھری صاحب اُن کے گرویدہ ہو گئے۔ ایک بار چودھری صاحب بی بی سی گئے ڈائریکٹر جنرل نے اُن کا استقبال کیا۔ آنے کے ساتھ ہی انہوں نے بٹالوی صاحب کا پُوچھا۔ بس ایک تہلکہ مچ گیا۔ بی بی سی نے بعد ازاں اُنہیں کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

اپنے آخری ایّام میں عاشق صاحب، چودھری صاحب کی یادداشتوں کی تدوین، طباعت اور پروف ریڈنگ میں منہمک تھے۔ چودھری صاحب جس زمانے میں عالمی عدالت کے جج تھے اور بعد کو چیف جسٹس بھی رہے، لندن میں آتے جاتے تھے۔ عاشق صاحب سے ملاقات کے ہمیشہ متمنّی رہتے تھے۔ لیکن عاشق صاحب اپنی دُھن کے پکّے اور اپنے تحقیقی مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے مطالبہ میں سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ چودھری صاحب سے اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ جب آپ کے پاس پانچ چھے گھنٹے فالتو ہوں تو مجھے ملاقات کا موقع دیں ورنہ نہیں۔

ایک روز خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھے عاشق صاحب کا فون آیا کہ چودھری صاحب لندن میں ہیں اور آج
ری شرط پوری کر سکتے ہیں ۔ وہ مجید نظامی صاحب (موجودہ ایڈیٹر نوائے وقت) کو اور مجھے اس ملاقات میں
شریک کرنا چاہتے ہیں ۔ مجید نظامی صاحب اس روز لندن سے باہر تھے ، لہذا عاشق صاحب نے مجھے طلب فرمایا ۔
پکاڈلی سرکس کے قریب ایک اعلیٰ درجے کے ریستوران میں جس کی اندرونی چھت سنہری تھی ، یہ محفل بپا ہوئی ۔
پہلے کافی کا دور چلا ، پھر دوپہر کا کھانا ہوا اور اس کے بعد چائے پی گئی ۔ اس دوران میں بیسیوں سوالات انہوں نے
چودھری صاحب سے کئے ، اور بڑی شرح و بسط کے ساتھ اُن کے جوابات حاصل کئے ۔ پرانے ہم عصروں میں سے
ایک موقع پر علامہ اقبال کے ایک مرحوم ہم عصر پیر تاج الدین صاحب کا شاید ذکر آیا ۔ تو اُن کی کثرتِ روایات
کے پیشِ نظر عاشق صاحب نے انہیں اس دور کے ابوہریرہ کا خطاب دیا ۔ مجھے چودھری صاحب کے ردِّ عمل سے
نہایت خوشگوار تعجب ہوا وہ دوستانہ انداز میں لیکن بڑی مضبوطی کے ساتھ برہم ہوئے اور کہنے لگے :

" ایسا ہرگز نہ کہیں کیونکہ یہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں گستاخی ہوگی ۔"

عاشق صاحب نے فوراً تصحیح کر لی ...... اس ملاقات کے چند ہفتے بعد عاشق صاحب بی بی سی آئے اور
مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر مجھ پر برس پڑے ۔ مغلظات سے بھی نوازا ۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ چکّر کیا
ہے ۔ لُبِّ لباب یہ تھا کہ کسی نے چودھری صاحب کو ہیگ خط لکھا کہ عاشق بٹالوی آپکی نجی زندگی کے بارے میں
ناخوشگوار گپ شپ میں حصہ لیتے ہیں ۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح تھی ۔ کیونکہ وہ نہ صرف چودھری صاحب کے خلاف بلکہ
مرزا بشیر الدین محمود کی عیاشی کے قصے بھی مزے لے لے کر بیان کرتے تھے ۔ کوئی اُن کو اس سے نہیں روک
نہیں سکتا تھا ۔ اس کا ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ جو لوگ ان کو قادیانیت نواز سمجھتے تھے ۔ اُن کا منہ بند کیا جا
سکتا تھا ۔ کیونکہ جو شخص قادیانیوں کے مذہبی پیشوا کے بارے میں ایسے رویّہ کا حامل ہو وہ ختمِ نبوت کا منکر
کیوں کر ہو سکتا ہے ـــــ ؟"

ایک جگہ قاسمی صاحب نے لکھا ہے :

" وہ ہمیشہ سچائی کے جویا رہے اور ہمیشہ سچائی کی حمایت کرتے رہے ۔"

اس حوالے سے یہاں بٹالوی صاحب کی ایک تاریخی تحریف کا ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ کافی عرصہ
قبل جناب عاشق حسین بٹالوی انگلستان سے پاکستان تشریف لائے تو انہیں پنجاب یونیورسٹی میں اقبال ؒ پر لیکچرز

دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ اسوقت اُنہوں نے اقبال اور تحریک پاکستان پر مختصر تین لیکچر دیئے۔ بٹالوی صاحب نے اپنے دوسرے لیکچر میں مجلس احرار پر الزام لگاتے ہوئے کہا:

"یوں تو احرار مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ مسٹر جناح نے بمبئی کے تاجروں اور اودھ کے تعلق داروں سے کئی لاکھ روپے جمع کئے ہیں، جو آئندہ الیکشن میں لیگی اُمیدواروں کے کام آئیں گے۔ اسی مغالطے میں مُبتلا ہو کر چودھری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی وغیرہ یہ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ اِس فنڈ سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ پنجاب کے حصہ میں ضرور آئے گا۔ میاں فضل حسین باخبر آدمی بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھا۔

جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے۔ مسٹر جناح نے اپنی تقریر یا تحریر میں یہ نہیں کہا تھا کہ اُن کے پاس لاکھوں کا سرمایہ موجود ہے۔ لاکھوں کا کیا ذکر اُن کے پاس تو چند ہزار کی رقم بھی نہ تھی۔ اُنہوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے اُمیدواروں کو اپنے آپ الیکشن کے مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔

بہرحال جب احرار کو پتہ چلا کہ پارلیمنٹری بورڈ کے پاس کوئی رقم نہیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر الیکشن پر اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا تو پھر وہ آئندہ انتخابات میں جناح کا توسّل کیوں اختیار کریں؟ کیا احرار اتنے گئے گزرے ہیں؟ اور کیا پنجاب میں ان کی اِتنی ساکھ بھی نہیں کہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ کے بغیر الیکشن کی جنگ بھی نہ جیت سکیں گے؟ چنانچہ ان خیالات سے متاثر ہو کر انہوں نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے استعفا دے دیا۔ اور اِس طرح مسلم لیگ اور احرار کا عارضی اتحاد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس حادثہ کی تہ میں کوئی اصولی اختلاف نہ تھا۔ صرف تقسیمِ زر کے بارے میں غلط فہمی تھی۔ (اقبال اور تحریکِ پاکستان ص ۴۴ - ۴۵)

اس تاریخی تحریف اور سَراسَر جھوٹے الزام پر ڈاکٹر صاحب کا مؤاخذہ کرتے ہوئے ایڈیٹر ہفت روزہ "چٹان" لاہور جناب شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا:

"جواب اس کا مدلّل بھی ہے اور مسکت بھی مگر ہم اس ساز کے تاروں کو چھیڑنا نہیں چاہتے کیونکہ

؎ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

ہمیں زیادہ تعجب خود ڈاکٹر صاحب پر ہے کہ اُن کے قلم سے اس قسم کی باتیں اس مرحلہ میں نکل رہی ہیں۔ کہ جواب آں غزل میں خواہ مخواہ سنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب خود ہی مقدمہ قائم کرتے خود ہی شاہد بن جاتے اور پھر خود ہی مُنصف کہلانا چاہتے ہیں۔ یہ

اصول وقائع نگاری کے خلاف ہے۔ انہیں اپنے دعاوی کے لئے سند و شہادت لانی چاہیئے۔ صرف ان کا بیان ہی ثقاہت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ بات ڈاکٹر صاحب کے نوٹس میں نہیں آئی کہ لوگ اُن کی روایتوں کو واقدی کے ترازو میں تولتے اور جائز طور پر سرگوشی کرتے ہیں کہ:

"وہ انہی لوگوں کے بارے میں حکایتیں بیان کرنے کی زحمت فرماتے ہیں۔ جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اور ان لوگوں کے بارے میں قلم نہیں اُٹھاتے جو زندہ ہیں"۔ بٹالوی صاحب کا کوئی راوی یا روائیتوں کا کوئی گواہ زندہ بھی ہے؟ انہوں نے اپنے قلم کو لکد کوبی کے لئے مرحومین کی قبروں کو منتخب کیا ہے تو کیوں؟ کیا اس لئے کہ اُنکی مدافعت کا ماحول نہیں رہا۔ اور کرگسوں کو عقابوں کا نام دینا شیوہ بن چکا ہے؟"

ڈاکٹر صاحب کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخِ احرار" مصنفہ چودھری افضل حق نہیں گزری؟ یہ واقعہ اس میں من وعن درج ہے ملاحظہ ہو "تاریخِ احرار" ص ۱۸۲ مطبوعہ زمزم بک ایجنسی بیرون موری دروازہ لاہور، پہلا ایڈیشن۔

"جونہی ہم نے لیگ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اُمراء کے ایوانوں میں زلزلہ آیا۔ امراء نے سوچا کہ مفلسی ہمارے گھر میں کیسے گھس آئی؟ کوئی تدبیر لڑاؤ کہ احرار، مکھن سے بال کی طرح نکال دیئے جائیں۔ سرمایہ دار بے حد ہوشیار تھا۔ احرار کا اخلاص تدبیر سے لاپرواہ رہا۔ مگر تدبیر کیا کرتے؟ جہاں سرمایہ کا سوال ہو وہاں اخلاص کو ہتھیار ڈالدینے ہوتے ہیں۔ پہلے لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے پچاس روپے کی رقم مقرر تھی۔ اب احرار کو لیگ کے ٹکٹ کا خریدار دیکھ کر ارباب لیگ نے رقم ۵۰۰/- روپے کر دی تاکہ احرار کا کوئی اُمیدوار اتنی رقم دے کر ٹکٹ حاصل نہ کر سکے۔ ہم نے ہزار چاہا کہ یہ رقم ڈھائی سو ہی ہو جائے تو مشکل آسان ہو مگر اس میں کامیابی بہت دُور دکھائی دی۔ ناچار احرار نے اپنے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا جب امراء لیگ نے سمجھا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ تو پھر وہی پچاس روپے شرح ٹکٹ ٹھہری۔ غریبوں کا امیروں کے نظام میں گھس آنا آسان نہیں۔ جو اسے کھیل سمجھتے ہیں۔ تجربہ کی تلخی سے بالآخر منہ بسورتے ہیں۔ جمہوری ادارے جن پر سرمایہ دار قابض ہوں، اُن میں داخل ہونا بڑا کٹھن کام ہے۔ پھر اس پر قابض ہو کر عوام کے لئے مفید مطلب کام چلانا کھیل نہیں۔"

"تاریخِ احرار" کو شائع ہوئے آج پچیس سال ہو چکے ہیں۔ اس اثنا میں کسی شخص نے اس تحریر کی تردید نہیں کی۔ پیر تاج الدین، ماسٹر غلام رسول اور ملک برکت علی سب زندہ تھے۔ اس زمانہ میں سیاسی آب وہوا کا مزاج نسبتہً جوشش وغضب پر تھا۔ لیکن آج اس طویل عرصہ کے بعد ڈاکٹر صاحب کے غیب پر ان حقائق کا انکشاف ہو رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ سیاسیات میں احرار کو شکست ہوگئی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ احرار کے وجود پر ان لوگوں نے بھی گرد وغبار اُڑایا۔ جو کیلے کی ایک پھلی، سگرٹ کے ایک کش اور بستر کی ایک شکن پر فروخت ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی کلام نہیں کہ احرار میں بعض دوسرے درجہ کے لوگ جو بعد میں اوّل درجہ کے رہنما ہوگئے۔ کسی لحاظ سے بھی قابلِ ذکر نہیں۔ لیکن چوہدری افضل حق یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارہ میں یہ سوچنا بھی عظیم گناہ ہے۔ کہ وہ جلبِ منفعت یا حصولِ زر کے آدمی تھے۔ یہ بکنے والے ہوتے۔ تو اُن کے خریدنے والے خود بک بک کر انہیں خریدتے۔ کسی آدمی کے متعلق صحیح شہادت اُس کے ساتھی دے سکتے ہیں۔ یا وہ جنہیں اُن سے بلا واسطہ مطالعہ کا موقع ملا ہو۔ اس شخص کی شہادت کبھی ثقہ نہیں ہوسکتی جو اُن کے عیبوں کی تلاش میں دُور تک نکل گیا ہو۔ اور جب اُس کے سوزِ ناتمام کو کچھ ہاتھ نہ آیا تو افسانے تراشنے میں باک محسوس نہ کیا۔ دشمن کی شہادت دوست کے بارے میں کبھی مستند نہیں ہوسکتی ——"

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور شمارہ ۱۸ جلد ۲۰ مورخہ یکم مئی ۱۹۶۷ء)

جعفر قاسمی صاحب نے عاشق حسین بٹالوی کے تذکرے میں قلم سے موتی بکھیرے ہیں۔ مگر قاسمی صاحب قبلہ کو ہم سے یقیناً اتفاق ہوگا۔ کہ ایسے مصلحت کوش لوگ، جن کی اپنی کوئی اُٹھان نہیں ہوتی۔ وقت وحالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ باہر کچھ —— اندر کچھ —— صبح کچھ —— شام کچھ ؎

رقیبِ رُوسیاہ و عاشقِ برگشتہ خُو ناخوش ؛ مزاجِ حلقۂ زہرہ وشاں یُوں بھی ہے اور یوں بھی

قاسمی صاحب! ایک طرف تو آپ بٹالوی صاحب کو، دوستوں کے ساتھ بات بات پر جھنجھلاہٹ اور بدگمانی کا اظہار کرنے والا مسلمان اکابر کے استہزا سے لطف اندوز ہونے والا ایک جیّد صحابی رضؓ کے نام کو ایک دنیادار عام انسان پر منطبق کرنیوالا —————— شراب پی کر

اسلام کی تبلیغ کرنے والوں پر برسنے والا ، اُن کی بے عزتی کرنیوالا ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دشمنوں کا گہرا دوست اور پیپ اور کلب کا آدمی بتاتے ھیں ، اور دوسری طرف آپ عاشق حسین کو حضرت علیؓ کے اِس ارشاد کا مصداق ٹھہراتے ھیں کہ :

"جب تک علم کو اپنا کُل نہ دو گے وہ تمہیں اپنا جزو نہیں دے گا ۔"

اور پھر کہتے ھیں :

"عاشق صاحب نے علم کو اپنا کُل دے دیا اور علم نے اُن کو اپنا جزو عطا کر دیا تھا ۔"

بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے :

اِک طرف گیسوئے عذرائے سخن کی رونق ،
اِک طرف جبّہ و دستار خدا خیر کرے

بقیہ از صد ۵۳

قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو عوام کی طاقت زمیں بوس ہونے سے کیوں نہ بچا سکی ....؟

کفارِ مکہ کی طاقت میدانِ بدر میں کیا ہوئی .....؟

امام احمد بن حنبلؒ فتنۂ خلق القرآن کے لئے تنہا ڈٹ گئے .... ایک ہی آواز گونجتی رہی گونجتی رہی اور گونجتی رہی کہ قرآن مخلوق نہیں اللہ کی کلام ہے ..... بادشاہِ وقت اور پوری عوامی طاقت مل کر بھی انہیں راہِ راست سے نہ ہٹا سکے ، نہ دبا سکے ..... جیت کس کی ہوئی امام احمد بن حنبلؒ کی یا عوام کی .....؟

بس یاد رہے .... ایک ہی طاقت ہے .... اللہ کی طاقت ...... اور سارے چشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں ...... اور جو چشمے یہاں سے پھوٹتے ہیں ان کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا ہے ——— کبھی اسے بھی چکھ کر دیکھیں !

بقیہ از صد ۲۱

ب ——— دوسرے ابو الحارث اللیث ابنِ خالد البغدادی ۔ یہ بھی قرأت کے بہت بڑے عالم تھے ۔ ۲۴۰ھ کو اُن کی وفات ہوئی ۔ یہ تذکرہ ان حضرات کا ہے جو کہ قرا سبعہ کے عنوان سے مشہور ھیں ۔

حکیم محمود احمد ظفر (سیالکوٹ)

سیدنا ولید بن عقبہؓ ——— گورنر کوفہ

سیدنا ولید بن عقبہؓ گورنر کوفہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ماں جائے بھائی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے۔ یعنی جو رشتہ سیدنا عثمانؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا وہی ان کا بھی تھا۔ فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ ابن ماکول کی روایت کے مطابق هو طفل صغیر فتح مکہ کے روز وہ چھوٹے بچے تھے۔ بچپن ہی سے اللہ رب العزت نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا ایمان کی روشنی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں کوئی خاص کارنامہ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ بعض مؤرخین اور مفسرین نے ان کے بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا لیکن وہ وہاں نہ گئے راستہ ہی سے واپس ہوکر بارگاہِ رسالت میں آکر کہہ دیا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رپورٹ پر بنی المصطلق کے خلاف کارروائی کرنے کا مصمم ارادہ فرما لیا۔ اسی اثناء میں اس قبیلے کے لوگوں کو اس رپورٹ کا علم ہوگیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر صحیح صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

حجرات : ع ۶

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

یہ واقعہ سیدنا ولید بن عقبہؓ کی جانب غلط منسوب کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے بڑے شدّ ومد سے ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن میں یہ واقعہ ذکر ہے لیکن روایت اور

درایت کے اصولوں کے مطابق یہ واقعہ سراسر غلط ہے۔

۱۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہؓ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور اس وقت یہ بچے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا تو اہلِ مکہ سے اپنے بچے لانے کے لئے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے لئے دعا کی دعا فرماتے۔ سیدنا ولید بن عقبہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی لایا گیا لیکن میں نے زرد رنگ کی خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ نہ پھیرا۔ (العواصم من القواصم صفحہ ۹۰-۹۱، مسند احمد صفحہ ۳۲ ج ۴)

ابن اثیر نے اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۹۰ پر اس روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ابو موسیٰ الہمدانی مجہول ہے اور یہ روایت مضطرب ہے۔ جواباً عرض یہ ہے کہ نہ یہ روایت مضطرب ہے۔ اور عبد اللہ الہمدانی جو سیدنا ولید بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔ اور ابن اثیر جس ابو موسیٰ کو مجہول بتا رہے ہیں ان کا اصل نام مالک بن الحارث ہے وہ واقعی اصحاب الجرح والتعدیل کے نزدیک مجہول ہے۔ اور یہ عبد اللہ الہمدانی جو اس روایت کا آخری راوی ہے اس کا اصل نام عبد اللہ بن مالک بن الحارث تھا اور یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہے۔

ابن اثیر اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے عہدِ نبویؐ میں ولید بن عقبہؓ کو نوجوان ثابت کرنے کے لئے ایک اور روایت کا سہارا لیا ہے وہ یہ کہ ولید بن عقبہؓ ۷ھ میں اپنے بھائی عمارہ بن عقبہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ان کی بہن ام کلثوم کو واپس مکہ بھیج دیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۹۱)

اگر یہ روایت صحیح ہے پھر بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہؓ فتحِ مکہ کے وقت نوجوان تھے۔ کیا صغیر السن بچہ اپنے نوجوان بھائی کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ نہیں آسکتا؟ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اپنے بھائی عمارہ بن عقبہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔

۲: دوسری وجہ اس واقعہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ نقل اس کو بہت سے مفسرین اور مؤرخین نے کر دیا ہے لیکن سوچنے کی زحمت

کسی نے گوارا نہیں فرمائی کہ اس کی اسنادی حیثیت مجروح ہے یا صحیح ؟ یہ روایت اگرچہ متصل بھی مروی ہے لیکن اس کے بہت سے طُرق مرسل اور منقطع ہیں جو مجاہد، قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ اور یزید بن رومان پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات اگرچہ خود ثقہ ہیں لیکن ہیں تو تابعی۔ ان میں کوئی بھی اس واقعہ کا عینی شاھد نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ ان حضرات سے قریبًا ایک صدی پہلے کا ہے۔ یہ واقعہ ان کو کس صحابی نے بتایا، اور وہ صحابی خود بھی اس واقعہ کے وقت موجود تھے یا ان کی طرف بھی کسی نے یہ واقعہ غلط منسوب کر دیا۔ یہ سب باتیں اس روایت کے بارہ میں تصریح سے ثابت نہیں۔ لہذا مرسل اور منقطع روایات اتنے اہم اور مشہور واقعہ کے بارہ میں قابل حجت نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ جو طُرق اس روایت کے متصل ہیں ان میں ایک روایت ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضؓ کی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضؓ سے ایک ثابت نامی شخص روایت کرتا ہے اور اپنے کو سیدہ ام سلمہ رضؓ کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اسماء الرجال کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص سیدہ ام سلمہ رضؓ کا مولیٰ تھا (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال وغیرہ)

پھر سیدہ ام سلمہ رضؓ کی ساری روایات مسند احمد میں نقل ہیں ان میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ثابت نامی شخص سیدہ ام سلمہ رضؓ کا مولیٰ ہے اور نہ ہی سیدہ ام سلمہ رضؓ نے یہ روایت بیان کی ہے بلکہ یہ ان کے ذمہ اتہام ہے۔ جو ان حضرات نے لگا دیا ہے۔

اس کے علاوہ ثابت مولیٰ ام سلمہ رضؓ سے روایت کرنے والے راوی کا نام موسیٰ بن عبیدہ ہے۔ جس کو امام نسائی، ابن المدینی، ابن عدی، یحیٰی بن سعید القطان، یحیٰی بن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ جرح و تعدیل نے ضعیف اور منکر الحدیث کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۵۷ - ۳۵۹، میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۲۱۳، مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۱۱۱)

دوسری متصل روایت اس بارے میں ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں " عن ابن سعد عن ابیہ عن عمّہ عن ابیہ عن ابیہ عن ابن عباس رضؓ " کی سند سے نقل کی ہے۔ لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ طبری خود ابن سعد سے نہیں ملا، اور نہ ہی ان سے کوئی علم حاصل کیا، یا کوئی روایت سنی ہے کیونکہ ابن سعد ۲۳۰ھ میں بغداد میں فوت ہوئے

جب کہ طبری کی عمر اس وقت صرف چھے سال کی تھی اور وہ اس وقت تک اپنے شہر آمل (جو کہ طبرستان میں واقع ہے) سے بغداد یا کسی اور شہر نہیں گیا تھا۔

دوسرے اس سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ابن سعد کا باپ کون ہے اور باپ کا چچا کون اور پھر چچا کا باپ اور دادا کون ہے گویا سب راوی ایسے ہیں جن کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ایسی روایت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طبری جس ابن سعد سے روایت کرتا ہے وہ طبقات والا ابن سعد نہیں بلکہ یہ محمد ابن سعد العوفی ہے اور یہ بذاتِ خود ضعیف ہے۔ اس پر الاستاذ احمد شاکر المصری نے بڑی اچھی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر طبری ج ۱ ص ۲۶۳، ۲۶۴ مطبوعہ دار المعارف مصر)

حافظ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۱۰، ۱۱۱ پر اور علامہ سیوطیؒ نے تفسیر الدر المنثور جلد ۶ ص ۸۸ پر، علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ابن کثیر جلد ۴ میں اور بھی کچھ متصل روایات نقل کی ہیں، لیکن کسی میں عبداللہ بن عبدالقدوس راوی ہے جو ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ رافضی بھی ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۰۳، میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۴۵۷) کسی میں یعقوب بن حمید راوی ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف ہے (میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۴۵۰)، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۱) اور کسی میں محمد بن سابق راوی ہے جس کے بارہ میں ائمہ جرح و تعدیل نے لکھا ہے کہ اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن وہ قابلِ حجت نہیں (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۷۵)

غرض اس روایت کے جتنے بھی طرق ہیں خواہ وہ مرسل ہوں یا منقطع یا متصل وہ سب معلول ہیں، اور مجہول اور ضعیف راویوں سے مروی ہیں لہٰذا اس روایت کی بنا پر ایک ایسے نوجوان، نیک سیرت، اور ایسے صحابی کو مطعون کرنا جس پر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے اپنی خلافتوں کے زمانہ میں اعتماد کیا ہو ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بعض روایات میں سیدنا ولید بن عقبہؓ کا نام ذکر نہیں کیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو ایک قوم کی طرف صدقات لینے کے لئے بھیجا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ولید بن عقبہؓ نہ ہوں بلکہ کوئی اور شخص ہو، اور یہ واقعہ ان کی جانب کسی رافضی نے منسوب کر دیا ہو۔ لیکن ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اور صحابی بھی ایسا کام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ قرآن حکیم کی نص کی رو سے کوئی صحابی فاسق نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم

کا ارشاد ہے :-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الحجرات)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کردیا، اور کفر، فسوق، اور عصیان کو تمہارے لئے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان سے! اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت کے بارہ میں علامہ ابن تیمیہؒ نے بڑی پتے کی بات فرمائی ہے کہ

" ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل ان تمام احکام کی محبت ہو (یعنی فرائض اور مستحبات دونوں کی محبت ہو) اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہوگی اور بعض مرتبہ صرف فسوق اور عصیان کی حد تک ہوگی۔ مومن کامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت کرے۔ (کتاب الایمان ص۱۷)

بہر حال یہ روایت بالکل غلط اور موضوع ہے اور یہ واقعہ کسی رافضی نے ان کی جانب منسوب کردیا ہے۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی المصطلق کی طرف بھیجا ہی نہیں تھا۔ اس روایت کی اسنادی حیثیت کے بارہ میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "العواصم من القواصم" ص۹۰-۹۳ تعلیقہ)

لیکن اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ " سیدنا ولید بن عقبہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق کے پاس صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا تھا۔ جب آپ اس قبیلہ کے قریب پہنچے تو بعض لوگ ان کے استقبال کے لئے راستہ میں کھڑے ہوگئے۔ ولیدؓ انہیں دیکھ کر واپس بارگاہِ رسالت میں آگئے اور رپورٹ دی کہ وہ اسلام سے پھر گئے ہیں۔ اور انہوں نے صدقات

دینے سے انکار کر دیا۔ نیز میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اُن پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا۔"

اس بات کا جواب علمائے اسلام اور مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس میں سیدنا ولید بن عقبہ رضؓ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ بلکہ جب لوگ ان کے استقبال کے لئے راستہ میں کھڑے ہوئے تو ایک شیطان نے انہیں کہا کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے ارادہ سے راستہ میں کھڑے ہیں اور یہ صدقات وغیرہ آپ کو نہیں دیں گے۔ چنانچہ آپ گھبرا کر واپس آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر یہ رپورٹ دی کہ وہ صدقات نہیں دیں گے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن القیم کی مدارج السالکین جلد ا صفحہ ۳۶، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۹ و دیگر تفاسیر)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس میں سیدنا ولید بن عقبہ کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ جو کچھ اس شیطان نے انہیں بتایا اسی کے مطابق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو بیان کر دیا۔ چنانچہ روایات میں صاف الفاظ ہیں :۔

فحدثه الشيطان انهم يريدون قتله

پس شیطان نے ان سے کہا کہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بعض روایات میں سیدنا ولید بن عقبہ رضؓ کا نام نہیں آیا بلکہ "رجل" یعنی ایک آدمی کا لفظ آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی مجہول اور غیر معروف آدمی تھا، ولید بن عقبہ رضؓ نہیں تھے (تفسیر طبری ملاحظہ ہو)

علامہ طبرسی نے اس بارہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے وہ یہ کہ یہ آیت ولید بن عقبہ رضؓ کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی بلکہ ——————

"اس شخص کے بارہ میں نقل ہوئی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی زوجہ محترمہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضؓ کے بارہ میں شکایت کی تھی۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ ماریہ رضؓ کے پاس ان کا چچا زاد بھائی آیا کرتا تھا۔ سیدہ ماریہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے اس آدمی کی خبر سن کر سیدنا علی رضؓ سے فرمایا: تلوار لو اور اگر وہی شخص تمہیں سیدہ ماریہ رضؓ کے گھر مل جائے تو اسے قتل کر دینا .... سیدنا علی رضؓ فرماتے ہیں میں جب تلوار لے کر وہاں پہنچا تو میں نے اس شخص کو وہاں موجود پایا۔ میں نے اسے دیکھ کر تلوار سونت

لی۔ جب اس نے اپنی خیر نہ دیکھی تو وہ ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ اوپر جاکر وہ اوندھا ہوگیا، اور اپنی دونوں ٹانگیں پھیلادیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مردوں کی شرمگاہ سے یکقلم عاری ہے۔ اس جگہ پر تھوڑا بہت کچھ بھی نہیں۔ یہ دیکھ کر سیدنا علیؓ واپس تشریف لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے سن کر فرمایا: الحمد للہ الذی یصرف عنا السوٓء اھل البیت (تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے ہماری اہل بیت سے ہر قسم کی برائی دور فرمائی)

(تفسیر مجمع البیان جلد ۵ جز ۹ صـ ۱۳۲، تہران)

اب جب آیت میں اس قدر احتمالات ہیں تو سیدنا ولیدؓ کے بارہ میں استدلال باطل نہیں ہوتا؟" اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ اور اس آیت کو صرف سیدنا ولیدؓ کے لئے مخصوص قرار دینا قلبی بیماری کی دلیل ہے۔

ہمارے خیال میں ضروری نہیں کہ اس آیت کا کوئی شان نزول بھی ہو۔ قرآن حکیم کی بعض آیات مختلف باتوں کے لئے بطور اصول اور کلیہ نازل ہوئی ہیں۔ ان میں ایک یہ آیت بھی ہے اور اس آیت میں بات بطور اصول بیان کی گئی کہ جو شخص بھی جو خبر دے اس پر فوری طور پر یقین نہ کرلیا کرو بلکہ مخبر (خبر دینے والے) کی شخصیت کے حدود اربعہ کو بھی بنظر غائر دیکھ لیا کرو کہ وہ کس قماش کا آدمی ہے۔ وہ کہیں فاسق و کاذب تو نہیں اور وہ تمہیں جھوٹی خبر تو نہیں دے رہا۔ یہ نہیں کہ جس کسی سے جو خبر سنی اس کو صحیح مان کر اس پر اسی وقت عمل کرلیا۔ چنانچہ اس بارہ میں امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں:۔

نقول هو نزل عامًّا لبيان التثبّت وترك الاعتماد على قول الفاسق ويدلّ على ضعف من يقول انها نزلت لكذا انّ الله تعالى لم يقل انى انزلتها لكذا والنبى صلى الله عليه وسلم	ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کسی بھی فاسق کے قول کے عدم اعتماد اور بیان کے تثبت کے لئے نازل ہوئی ہے اور جس شخص نے یہ بات نقل کی کہ یہ صرف ولید بن عقبہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اس کی بات ضعیف ہے اور اس کی بات کے ضعف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے فلاں کے لئے

لم ينقل عنه انّه بيّن ان الآية وردت لبيان ذلك فحسب غاية ما في الباب انّها نزلت في ذالك الوقت وهو مثل التاريخ لنزول الآية ونحن نصدّق ذالك ويتأكّد ما ذكرنا ان اطلاق لفظ الفاسق على الوليد شيئ بعيدٌ لانّه توهم وظنّ فاخطاء والمخطي لا يسمّٰى فاسقًا۔

(تفسیر کبیر جزء ۲۶ ص ۱۱۹)

یہ آیت اتاری اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ آیت کا ورود صرف ولیدؓ کے بیان کے لئے ہے اور بس! غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ یہ آیت فلاں وقت نازل کی گئی اور یہ نزول آیت کی تاریخ کے طور پر یہ واقعہ ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ ولید بن عقبہؓ پر لفظ "فاسق" کا اطلاق ایک بعید چیز ہے اس لئے کہ (بنی مصطلق کے جمع شدہ لوگوں کو حملہ آور اور مرتد سمجھنا) ان کا وہم و گمان تھا اس میں انہوں نے غلطی کھائی اور غلطی کھانے والے کو "فاسق" کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔

ایسا ہی دوسری تفاسیر میں لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو خازن، صاوی علی الجلالین، قرطبی وغیرہم)
باقی رہا ابن عبدالبر کا اس بات پر اجماع نقل کرنا کہ یہ آیت ولیدؓ کے بارہ میں ہی نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:۔

وقد حكى ابو عمرو بن عبدالبر على ذالك الاجماع

اور ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۴)

ابن عبدالبر کا اجماع نقل کرنا اس بارہ میں حجت نہیں کیونکہ ابن عبدالبر کی کتاب "الاستیعاب" کے بارہ محدثین نے صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ:۔

"ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب بہت جلیل القدر اور کثیر العوائد ہوتی اگر اس میں مشاجرات صحابہ کے بارہ میں روایات محدثین کے بجائے اخباری لوگوں سے نہ لی جاتیں۔ اخباری لوگ (مؤرخین) اکثر واقعات کو بڑھا چڑھا کر اور افراط و تفریط سے کام لے کر پیش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی پیش کردہ باتوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص۲۶۲، فتح المغیث ص۳۶۶، تدریب الراوی ص۳۹۵)

اب جو شخص اخباری لوگوں سے روایات درج کرتا ہے یقینی بات ہے کہ وہ ان پر اعتماد بھی کرتا ہے لہٰذا جو اخباری لوگوں یعنی مؤرخین کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے وہ فکرِ صحیح کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے ابن عبدالبر کا اس بارہ میں "اجماع" کا دعوٰی کرنا ان کا تفرد ہے جو حقائق پر مبنی نہیں لہٰذا قابلِ اعتبار بھی نہیں۔

سیدنا ولید بن عقبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمر کے لحاظ سے اس قابل نہ تھے۔ کہ کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی، لیکن خلافت صدیقی میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس نابغۂ روزگار کو ثقہ اور با اعتماد جانتے ہوئے اس لشکر میں شامل فرمایا جو سیدنا خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کی زیر قیادت ایران میں فتوحات کر کے مملکتِ اسلامیہ کی وسعتوں اور پہنائیوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲ھ میں جنگ مذار بن ۵ جو اہل ایران کے ساتھ ہوئی۔ سیدنا ولید بن عقبہؓ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ اس جنگ میں فتح کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ نے انہیں فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت دے کر سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھیجا! سیدنا ولیدؓ جب یہ مال لے کر سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے انہیں جنگی امدادی سامان دے کر ایک دوسرے کے محاذ پر بھیج دیا۔ جہاں سیدنا عیاض بن غنمؓ کی زیر قیادت جنگ لڑی جا رہی تھی۔

۱۳ھ میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں قضاعہ قبیلے کے صدقات کی وصولی کے لئے مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے شام کی فتح کا ارادہ فرمایا تو اس اہم کام کے لئے ان کی نظرِ انتخاب ایک طرف تو سیدنا عمرو بن العاصؓ پر پڑی اور دوسری طرف سیدنا ولید بن عقبہؓ پر۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ولید بن عقبہ کی زیر قیادت ایک لشکر اُردن کی طرف روانہ فرمایا۔

۱۵ھ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ نے انہیں بلادِ بنی تغلب اور عرب الجزیرہ پر مامور فرمایا

جزیرہ میں اپنی حکومت کے دوران انہوں نے بنی تغلب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جزیرہ میں ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ سیدنا ولیدؓ نے ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب بنو تغلب نے اسلام قبول نہ کیا تو سیدنا ولیدؓ نے امیر المؤمنین عمر الفاروقؓ کو اس بارہ میں مفصل رپورٹ ارسال کی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ یہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے اور اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول کرنا چاہے تو اسے اسلام سے نہیں روکیں گے تو آپ قبول کر لیں۔ چنانچہ بنو تغلب میں سے بعض نے اس شرط کو قبول کر لیا اور بعض نے قبول نہ کیا۔ سیدنا ولید نے ان کے بعض رؤسا کو سیدنا عمرؓ کے پاس بھیجا اور بڑی رد و کد کے بعد انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ لیکن وہ سیدنا ولیدؓ کے جانی دشمن ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بغاوت کے خطرہ کے پیشِ نظر سیدنا ولیدؓ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ (طبری ج ۴ صـ۱۵۷، ۱۵۸)

۱۷ھ کے واقعات میں بھی سیدنا ولیدؓ کی جہادی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ جب قیصر روم نے حمص کے مقام پر مسلمانوں کا محاصرہ کرنا چاہا تھا۔

۲۴ھ میں جب آذربائیجان اور آرمینیہ کے باشندوں نے عہد فاروقی کا خراج بند کر دیا تو سیدنا ولیدؓ نے ان پر فوج کشی کی اور آذربائیجان والوں کو کچل ڈالا۔ جب انہیں اپنی مکمل ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے سیدنا ولیدؓ کی اطاعت قبول کر لی اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔

آذربائیجان کے نواحی علاقوں میں اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے عبداللہ بن شبیل کو بھیجا اور آرمینیہ کے نواحی علاقوں پر سلمان بن ربیعہ الباہلی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ حملہ کے لئے روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جرنیلوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر سیدنا ولیدؓ کے پاس پہنچے۔ سیدنا ولیدؓ اور ان کے جرنیلوں نے جب اس سارے علاقے کو فتح کر لیا تو

فانصرف الولید وقد ظفر واصاب حاجتہ	تو سیدنا ولید فتح و نصرت حاصل کر کے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر کوفہ واپس آ گئے

(البدایہ والنہایہ ج ۷ صـ۱۴۹ تا ۱۵۰ طبری جلد ۴ صـ۳۰۷ - ۳۰۸)

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فتحیاب ہونے کے بعد سیدنا ولید بن عقبہؓ نے موصل میں ایک قابلِ ذکر خطبہ ارشاد فرمایا جو حسبِ ذیل ہے :۔

"اَيُّهَا النَّاس ! فانّ الله قد ابلى المسلمين في هذا الوجه بلاءً حسنًا ردّ عليهم بلادهم التي كفرت و فتح بلادًا لم تكن افتتحت و ردّهم سالمين غانمين مأجورين فالحمد لله رب العٰلمين (طبری جلد ۳ صـ ۳۰۹)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو ان جنگوں میں نہایت اچھے طریقے سے آزمایا۔ وہ علاقے اور شہر جو بلادِ اسلامیہ سے باغی ہو گئے تھے۔ وہ انہیں پھر لوٹا دیئے اور جو شہر ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے وہ بھی (اپنے فضلِ عظیم سے) فتح کرا دئے، اور اہلِ اسلام کو صحیح وسالم، مالِ غنیمت سے مالا مال اور آخرت کے اجر و ثواب سے حظ وافر عطا فرما کر واپس فرمایا۔ پس ساری تعریفیں اللہ رب العٰلمین ہی کے لئے ہیں۔

سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے بعد جب خلافت کا بار سیدنا عثمان بن عفانؓ کے کندھوں پر آیا تو آپ نے بھی اس با اعتماد اور نابغۂ روزگار صحابی کی بہترین صلاحیتوں سے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی خاطر پورا پورا فائدہ اٹھایا اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ سیدنا ولیدؓ، سیدنا عثمانؓ کی امیدوں پر پورے اترے اور اسلام کے عدل وانصاف کے فروغ کے لئے انہوں نے دن رات انتھک کوششیں کی اور لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکالنے کے لئے انہوں نے سلطنت کی وسعتوں میں بہت اضافہ کیا۔

سیدنا عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ وہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے اور فرمایا تھا کہ میں نے انہیں جو معزول کیا تھا وہ کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا (ابن اثیر جلد ۳ صـ ۳۴)

آپ کی اس وصیت پر سیدنا عثمانؓ نے عمل کیا اور انہیں کوفہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ لیکن سیدنا سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو وہاں زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اور جلد ہی ان کی بجائے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ تلخی ہو گئی۔ جس پر سیدنا عثمانؓ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی بجائے سیدنا ولید بن عقبہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا ولیدؓ نے کاروبار حکومت اس اچھے طریقے سے سرانجام دیا کہ تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔

اس بارہ میں آپ نے جو فتوحات کیں اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمانؓ شخصیت و کردار" میں فتوحات کے باب میں نقل کر دی ہے لیکن رعایا سے ان کا جو سلوک تھا اس کے بارہ میں علامہ ابن کثیرؒ کا یہ جملہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

اقام بها خمس سنين وليس على داره باب وكان فيه رفق برعيته (البدايه والنهايه جلد ۷ ص۱۵۲)	آپ کوفہ میں پانچ سال تک رہے اس حالت میں کہ آپ کے گھر کا دروازہ تک نہیں لگوایا ہوا تھا (تاکہ لوگوں کو ان کے پاس آنے میں کوئی دقت نہ ہو) اور رعیت کے لئے ان کے دل میں نرمی تھی

طبری نے لکھا ہے :-

وكان احب الناس فى الناس وارفقهم بهم فكان بذالك خمس سنين وليس على داره باب (طبری جلد ۳ ص۳۱۳، ص۳۲۵)	ولیدؓ لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے لئے نہایت نرم خو، آپ پانچ سال تک گورنری کے عہدہ پر فائز رہے لیکن حالت یہ تھی کہ ان کے مکان کا کوئی دروازہ نہ تھا۔

آپ کو پس ماندہ طبقہ کی بہبود کا بھی خاصا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ آپ کوفہ کے ہر غلام کو بیت المال سے تین درہم ماہوار وظیفہ دیتے تھے۔ یہ وظیفہ اس مال کے علاوہ تھا جو انہیں اپنے آقاؤں سے ملتا تھا۔ (طبری جلد ۳ ص۳۲۸) (باقی آئندہ)

نرم گرم

تحریر : ابواُسامہ

چشمہ سرچشمہ اور دھماکہ

چشمے پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں اور پھر اَن جانی راہوں کی طرف بہ نکلتے ہیں۔ یہ منہ زور ہوتے ہیں جیسے بعض جانور، مثلاً گھوڑے، ہاتھی، بھینسے، گینڈے وغیرہ وغیرہ۔ بعض حروف ہم معنیٰ ہوتے ہیں۔ بس ان میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ اب دیکھیں ناں ...... چشمہ اور سرچشمہ .... چشمہ عینک کو بھی کہتے ہیں اور پہاڑوں کے دامن سے نکلنے والے پانی کو بھی چشمہ ہی کہتے ہیں اور یہ جو ہے ناں ...... سرچشمہ ..... اوہو..... کہیں آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ "چشمہ" کو انگریزوں نے "سر" کا خطاب دے دیا ہے اور "یہ" سرچشمہ ہو گیا ہے جیسے سر سید احمد خان اور سر ظفر اللہ وغیرہ ......

ویسے یہ جو "سر" تھے بس "سر" تھے۔ جانے ان بیچاروں کے دھڑ کہاں تھے ـــ بات چل رہی ہے سرچشمہ کی۔ اس کی بہت سی اقسام ہیں اس کی سب سے اعلیٰ و ارفع اور نایاب قسم ہے "طاقت" ـــ طاقت کا سرچشمہ بہت اچھے پیارے پیارے برگ و بار لاتا ہے خوب پھلتا پھولتا ہے جیسے ہمارے وزراء اور اس کی شاخیں خوب ہری بھری ہوتی ہیں جیسے ہماری "جمہوریت" ـــ ہر ملک کا اپنا اپنا سرچشمہ ہوتا ہے ـــ ہمارے ملک کا سرچشمہ عوام ہیں ...... گویا طاقت کا یہ سرچشمہ ہماری ثقافت، تہذیب و تمدن اور سیاست کا لازمی جزو ہے ـــ ابھی دیکھیں ناں..... ۱۳ مارچ سنہ ۹۰ء کو ہماری وزیر اعظم صاحبہ نے آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "عوام کا دھماکہ سب سے بڑا دھماکہ ہوتا ہے ـــ

ایک تو مارکیٹ میں اشیاء کی اقسام کی اتنی بھرمار ہے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز مشکل ہوگئی ہے۔ پہلے سنا تھا کہ بم پھٹے دھماکہ ہوتا ہے۔

بارود کو آگ لگ جائے دھماکہ ہوتا ہے

ٹرینیں آپس میں ٹکرا جائیں دھماکہ ہوتا ہے۔

سنسنی خیز خبر رنگ جائے دھماکہ ہوتا ہے۔

اب ایک نئی صورت سامنے آئی ہے ...... کہ عوام کا دھماکہ سب سے بڑا دھماکہ ہوتا ہے ـــــ ہم اسے بلا چون وچرا بسے تسلیم کئے لیتے ہیں ...... آخر کیوں نہ کریں۔ دھماکے کی ہزاروں، لاکھوں کروڑوں اقسام میں سے یہ بھی تو ایک قسم ہے اس کا انکار کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

دیکھیں ناں......

رومانیہ میں عوام کا دھماکہ ہوا۔ چاؤ شسکو اور ان کی اہلیہ بھک سے اڑ گئیں......

ایوب خان کے سر پر یہ دھماکہ ہوا تو وہ گمنامی کے غار میں دفن ہو گئے۔

بھٹو صاحب بھی اس دھماکے کی تاب نہ لا سکے .... اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ عوامی دھماکے کا شکار ہوئے یا ضیائی دھماکے کا.......

ضیاء صاحبؒ اس دھماکے سے بچے تو طیارے کے دھماکے نے انہیں گھیر لیا ـــــــ

تو گویا دنیا میں "عوام کا دھماکہ" انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور مؤرخ کو "دھماکہ تاریخ" مرتب کرتے ہوئے اس دھماکہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

ہم بہت دور نکل آئے بات چلی تھی " طاقت کے سرچشمہ" سے ایک "سرچشمہ" ایسا بھی ہے جسے ہم سب امراء و غرباء، عوام و خواص، رعایا و حکمران، طلباء و علماء، فضلاء و جہلاء، چھوٹے بڑے نے بھلا دیا ہے، اور اس کے بھلانے سے ہی ہمارے یہاں ہر طرف دھماکے ہو رہے ہیں اور ہم حیران و سرگرداں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ وہ سرچشمہ ہے " اللہ کی طاقت" سب سے زیادہ طاقتور ـــ سب سے بڑا.... اللہ اکبر.... پوری کائنات اپنی تمام تر رعنائیوں، اور رنگینیوں، ترتیبوں کے ساتھ لمحہ لمحہ اس کی محتاج ہے.......

جب اس ذاتِ کبریا نے پکڑا تو ــــــــــــــ

تو ــــــــ

قومِ لوطؑ کی طاقت کہاں گئی..... ..؟

قومِ موسیٰؑ.... ان کا بچھڑا اور اس کے پوجنے والے کیا ہوئے؟

حضرتِ عیسیٰؑ کو پھانسی سے کس طاقت نے بچایا....؟ اللہ نے یا عوام نے....؟ یقیناً اللہ نے

(بقیہ صـ۲۹ پر)

محسنِ احرار محدّث العصر علّامہ محمّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مجلسِ احرارِ اسلام کے قیام میں ان کا مشورہ اور کوششیں دونوں شامل تھیں

برصغیر کی تاریخ میں علّامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ بیک وقت محدث بھی تھے اور فقیہہ بھی۔ اپنے علم، تقویٰ اور اخلاص کے اعتبار سے وہ اپنے ہم عصر علماء میں منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں بے پناہ وسعتِ تفکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت غیر متنازعہ بھی ہے، علماء تو ان کے مقام و مرتبہ کے معترف رہتے ہی۔ مگر جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان سے بے حد متأثر ہوا۔ جن میں سرفہرست جناب ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم ہیں جو نہ صرف آپ کی شخصیت سے متأثر ہوئے بلکہ فدائی و شیدائی تھے۔ اقبال مرحوم کے فکر و نظر اور عقائد و اعمال میں انقلاب علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔ خصوصاً قادیانیت کے مسئلہ میں اقبال مرحوم کی اصلاح انہی کی محنت کے نتیجہ میں ہوئی۔ علّامہ انور شاہ کشمیریؒ نابغۂ عصر تھے۔ وہ کیا کرنا چاہتے تھے؟ کن لوگوں کے ذریعہ سے چاہتے تھے؟ اور اس سلسلہ میں انہوں نے کس طرح جدوجہد کی؟ ذیل میں ان کے فرزندارجمند علّامہ انظر شاہ مسعودی مدظلہ کی تحریروں کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جو دراصل آپ کی تصنیف "نقشِ دوام" (سوانح علّامہ انور شاہ کشمیریؒ) اور پندرہ پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور میں شائع ہونے والے آپ کے ایک انٹرویو سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"والدِ مرحوم کی آرزو تھی کہ پنجاب میں ایک منظم عوامی تنظیم کا قیام عمل میں آئے جو قادیانیت کے محاذ پر پر سرفروشانہ کام کرے اور استخلاص وطن کے لئے بھی جدوجہد کرے۔ مجلسِ احرار اسلام انہی کے ایماء اور اشارہ پر قائم ہوئی اور انہوں نے اپنے مخلص و فدا کار شاگردوں اور عقیدت مندوں کو اس جماعت میں شامل ہونے اور تعاون کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

کانگریس نے اپنی ورکنگ کمیٹی میں نمائندگی دینے کے سلسلہ میں پنجاب کو بالکل نظرانداز کر دیا تو یہ مسئلہ بھی احرار کے قیام کا پس منظر بن گیا۔ انہوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا

حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے متعلق یہ سمجھا کہ اگر انہیں قادیانیت کے خلاف تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کھڑا کر دیا گیا تو یقینی طور پر اسلام کے بہترین سپاہی اور عظیم مجاہد ثابت ہوں گے۔ انہوں نے فتنۂ قادیانیت کے استیصال اور سرکوبی کے لئے یہ مشن ان حضرات کے سپرد کیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور باقی علماء میں ایک خاص فرق ہے۔ ہندوستان میں امارتِ شرعیہ کا مسئلہ تو شروع ہو چکا تھا لیکن امیر کا انتخاب نہیں ہوا تھا۔ والد مرحوم کی اس پر نظر تھی کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کو اللہ نے خطابت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ اگر یہ عظیم ترین ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تو وہ ہندوستان میں احکام شرعیہ کی تبلیغ واشاعت میں تو حصہ لیں گے ہی۔ اس کے ساتھ مرزائیت کے محاذ پر وہ کام انجام دیں گے جو دوسروں سے ممکن نہیں۔ گویا شاہ جی کی انفرادیت وامتیاز کے پیشِ نظر یہ جلیل عہدہ ان کے سپرد کیا گیا۔

احرار نے جو سب سے بڑی اسلام کی خدمت کی ہے وہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا معاملہ ہے اور یہ اتنی عظیم خدمت ہے کہ اگر احرار کے دامن میں اور کچھ بھی نہ ہو تو صرف اس محاذ پر انہوں نے جس سراپا اخلاص انداز سے جنگ لڑی وہ دوسری جماعتوں کی بہت سی خدمات پر بھاری ہے، خصوصًا پنجاب میں انگریز کو بہترین سپاہی اور دائمی وفادار ملتے تھے یہاں اس کے خلاف بغاوت اور انگریز دشمنی کا جذبہ صرف احرار نے پیدا کیا۔

مجھے کئی مرتبہ شاہ جی سے ملاقات کا موقع ملا۔ وہ دیوبند تشریف لائے تو مجھے وہاں بھی زیارت وملاقات کا موقع میسر آیا پھر جب میں دھلی میں تھا تو وہاں احرار کانفرنس میں ان کا خطاب سننے اور تین دن تک ان کے ساتھ قیام کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مسلم لیگ کا ہندوستان میں دورِ شباب تھا اور قوم پرور مسلمانوں کو اپنی بات کہنے اور سنانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ جمعیت علماء ہند اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود دہلی میں کوئی کامیاب جلسہ کرنے میں ناکام ہوگئی تو پھر شاہ جی کو بلایا گیا۔ یہ دہلی کیلئے ان کا آخری سفر تھا اس وقت جو انہوں نے معرکہ کا خطاب کیا مجھے آج بھی یاد ہے۔

اس تقریر میں جواہر لال نہرو، پٹیل اور کانگریس کی کئی اہم ترین شخصیات بھی موجود تھیں۔ شاہ جی نے اپنی جادو بیانی ہی سے دہلی والوں کو کنٹرول کیا اور جمعیت علماء ہند کو بڑے زمانہ کے بعد اس کا موقع ملا کہ شاہ جی کی خطابت کے نام پر دہلی والوں کو جمع کریں اور اپنی بات ان تک پہنچائیں۔

احرار اور جمعیت کے موقف میں بھی واضح فرق تھا۔ احرار صرف آزادئ وطن کے لئے کانگریس کے ساتھ تعاون کی پالیسی اختیار کئے ہوئے تھے۔ لیکن انفرادی طور پر دینی محاذ پر بھی بھرپور کام کرتے تھے۔ جمعیت علماء ہند نے کلیتہً اپنے آپ کو کانگریس سے وابستہ کر دیا تھا اور ان میں کانگریس کی کسی تجویز کی مخالفت کی جرأت اور حوصلہ نہیں تھا جب کہ احرار بہت سے مواقع پر کانگریس کی مذہبی و سیاسی زیادتیوں کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے۔ ؎۱

تصنیف و تالیف، تحریر و تقریر اور قادیانیت کے مقابلہ کے لئے بعض مناسب افراد و اشخاص کی خصوصی تربیت کے باوجود والد مرحوم کی رائے تھی کہ اس فتنہ کی مکمل بیخ کنی کے لئے ایک ایسے مستقل ادارہ کی ضرورت ہے جو اپنی تمام توانائیاں اور قوت کار قادیانیت کی تردید میں صرف کرے۔ اس کے لئے آپ نے بار بار "جمعیت العلماء ہند" کو بھی توجہ دلائی بلکہ کلکتہ جمعیۃ العلماء کے اجلاس میں جب اس مسئلہ پر غور ہو رہا تھا کہ جمعیۃ العلماء کی رکنیت کے لئے خود اسلامی فرقوں میں سے کس کس کیلئے اجازت ہونی چاہئے۔ آپ نے یہ سوال اٹھایا کہ پہلے قادیانیوں کے کفر و ایمان کا فیصلہ ہونا چاہئے تاکہ ان کے لئے حق رکنیت یا عدمِ رکنیت کی بات طے ہو سکے لیکن "جمعیۃ العلماء ھند" نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں جس سرگرمی سے حصہ لیا۔ کسی دوسرے محاذ پر تندہی سے اس کے لئے کام ممکن بھی نہیں تھا۔ پھر پنجاب جو اس فتنہ کی جائے پیدائش تھی وہاں پر اس کے مقابلہ کے لئے کسی ادارہ کا قیام سب سے زیادہ ضروری تھا پنجاب کے لوگوں کو خدا تعالیٰ نے قوت عمل، جوش و خروش کی جن دولتوں سے نوازا ہے اس کی بنیا د پر بھی آپ کی بار بار نظر پنجاب پر ہی اٹھتی انہیں وجوہ و اسباب کے پیش نظر اپنے خصوصی تلامذہ و متعلقین کو ایک ادارہ کے قیام کی طرف متوجہ کیا۔ اسی زمانہ میں قوم پرور مسلمانوں کا ایک عنصر کانگریس ورکنگ کمیٹی میں مسلم پنجاب کی نمائندگی کے سوال پر ناراض ہو کر کانگریس سے ٹوٹا اور مجلس احرار کے نام سے جس ادارہ کی تشکیل کی وہ حضرت شاہ صاحب کی تمناؤں کے

؎۱ اقتباس انٹرویو: مولانا محمد انظر شاہ مسعودی، فرزند مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ پندرہ روزہ "الاحرار"۔ لاہور جلد ۱۵۔ شمارہ ۱۹۔ ۲۰ یکم تا ۳۱ جنوری ۱۹۸۶ء۔

مطابق تھی ۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، شیخ حسام الدین، مولانا داؤد غزنوی، اور مولانا ظفر علی خان، ان سب نے قادیانیت کے استیصال میں جو کام کیا وہ احرار کی تاریخ کا ایک جلی باب ہے۔

بخاری کی ساحرانہ خطابت نے ملک کو آتشیں فضا میں دھکیل دیا۔ شاہ صاحبؒ نے انہیں "امیرِ شریعت" کے خطاب سے نواز کر قادیانیت کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا اور پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ کی تگ و دو سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہو گیا۔ ظفر علی خان کی ہنگامہ خیز شاعری نے مرزائے قادیان کی زندگی تلخ کر دی۔ اس طرح مجلس احرار کی تعمیر میں قادیانیت کی تردید کا جو تخم ڈالا گیا تھا وہ احرار کی پوری زندگی میں بروئے کار رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد بھی قادیانیت سے ایک بھرپور مقابلہ مجلس احرار نے کیا اگرچہ سر ظفر اللہ قادیانی کی سازشوں کے نتیجہ میں احرار کے سیکڑوں کارکن نہ صرف قید و بند کی صعوبتوں بلکہ گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ آج بھی احرار کے "بقیۃ السیف" "تحفظ ختم نبوت" کے نام سے قادیانیت کے استیصال کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔ قادیانیت کے خلاف بے پناہ کام کے اُجلے عنوانات اس ادارہ کا وہ کارنامہ ہے جس کی بنیاد پر یہ ادارہ عنداللہ و عندالناس ان شاءاللہ سرخرو رہے گا۔ ہزاروں رضاکار، سیکڑوں کارکن اور سیکڑوں آتش نوا مقررین نے احرار کے پلیٹ فارم سے اٹھ کر ملک کو یہ شعور دیا کہ قادیانیت کفر کا دوسرا نام ہے۔ عوامی سطح پر اس شعور کی بالیدگی "احرار" کے بغیر ناممکن تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ خاص اس محاذ پر علامہ کشمیریؒ احرار کی پرجوش قیادت فرما رہے تھے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے اس مقصد کے لئے احرار ہی کو اپنا مکتبۂ فکر اور دائرۂ عمل بنایا۔

کشمیر کمیٹی

سنہ ۱۹۳۰ء میں مسائل کشمیر سے نمٹنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کا سربراہ خلیفۂ قادیان کو قرار دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ایک رکن علامہ اقبال بھی تھے چونکہ کشمیر میں مسلم اکثریت ہے اور انہی کے مطالبہ پر اس کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا اس لئے مسلم حلقوں میں خلیفۂ قادیان کے تقرر سے ہیجان ہو گیا۔ اول تو اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے تصفیہ

طلب مسائل کے لئے ایک قادیانی کو مقرر کرنا اس بات کا اعلان تھا کہ قادیانی مسلمان ہیں۔ حالانکہ تمام امت متفقہ طور پر قادیانیوں کو مرتد قرار دے چکی ہے۔ دوسرے عام قادیانیوں کے بارے میں یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں قادیانیت کی پر جوش تبلیغ کرتے ہیں۔ سر ظفر اللہ خان کی اس سلسلہ کی کوششوں سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس امر کی تصدیق کریں گے اس لئے یا تو بشیر الدین محمود کشمیر کے مسلم اکثریت کے ایمان کو تباہ و برباد کرتا یا اپنی تبلیغی مشن میں ناکامی کے باعث مسلمانوں کے مسائل کو کمیٹی کے سطح پر خوفناک نقصان پہنچاتا اور عجب نہیں کہ ——— کچھ ایسے ہی سیاسی مقاصد کے پیش نظر سوچ سمجھ کر یہ تقرر کیا گیا ہو علامہ کشمیری اس صورتِ حال سے مضطرب ہو گئے۔ مذکورۃ الصدر خطرات و اندیشوں کے تحت آپ نے اس تقرر کے خلاف اول تو خود مہاراجہ کشمیر کو اور کشمیر کے بعض ذمہ دار اشخاص کو احتجاجی خطوط لکھے اور ساتھ ہی مجلس احرار کو ہمہ گیر احتجاج پر آمادہ و تیار کیا۔ ڈاکٹر اقبال جن سے آپ کے تعلقات پہلے سے تھے وہ اب تک قادیانیت کے مضر پہلوؤں سے تقریباً ناواقف تھے۔ اسی زمانہ میں علامہ نے موصوف کو طویل خط لکھ کر فتنۂ قادیانیت کی زہر چکانیوں سے مطلع کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے بعد میں کشمیر کمیٹی سے استعفا بھی دے دیا۔ بلکہ وہ فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے محاذ پر ایک پر جوش داعی ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر نے اپنے ایک مضمون میں ہندوستانی مسلمان کو قادیانیت کی تائید کا مشورہ دیا، اور اس دلیل کے ساتھ کہ قادیان کا پیغمبر ہندوستانی ہے اور ان کے مقدس مقامات بجائے مکہ اور مدینہ کے خود ہندوستان میں ہیں ان سے وابستگی کے نتیجہ میں وطن پروری کے جذبات پیدا ہوں گے اور ایک غیر ملکی مذہب سے دلچسپیاں کٹ کر وطن ہی میں پیدا ہونے والے مذہب سے راہ و رسم بڑھے گی جس کا منطقی نتیجہ وطنیت کے جذبات سے معمور ہونا ہے۔

اس نظریہ کے آخری محرک ڈاکٹر شنکر داس مہرا تھے جو حال ہی میں سرگباش ہوئے ہیں۔ صدر کانگریس کے اس مضمون پر علامہ اقبالؒ نے انگریزی زبان میں مسلسل کئی قسطوں میں بھرپور تنقید کی۔ کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ اقبال کے ان دینی پر در خیالات کی تعمیر میں حضرت شاہ صاحبؒ کا بڑا حصہ تھا۔ (نقشِ دوام رسوانح علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (از انظر شاہ مسعودی) صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۹)

زبان میری ہے بات ان کی

-- پنجاب حکومت کو گرانا کسی سیاسی "مظہر شاہ" کے بس کی بات نہیں۔ (ارشد لودھی)

سیاست دان سبھی لٹیرے ہیں دو چار دس کی بات نہیں

-- تادم مرگ بھوک ہڑتال۔ خود کشی کے مترادف ہے۔ جو اسلام میں حرام ہے (مشتاق اعوان۔ مولانا وقار الحسنین)

اور وہ جو آپ کروا رہے ہیں۔ قتل و غارت، دہشت گردی، زنا شراب، اغوا، لالچ، دھمکی مسلمان کا خون بہانا یہ سب کچھ اسلام میں جائز ہے؟

-- ۵۲ سڑکوں، محلوں، چوکوں کے نام تبدیل کر کے اسلامی رکھ دیئے گئے (ایک خبر)

ہم بدلنا چاہتے تھے نظم مے خانہ تمام
آپ نے بدلا ہے فقط مے خانے کا نام

-- ملک میں قتل و غارت اور فرقہ واریت پھیلانے کا مقصد جمہوریت کو ختم کرنا ہے۔ (طاہر القادری)۔

بائی دی وے۔۔ جمہوریت آپ کی مامی لگتی ہیں؟

-- پرچہ درج کرنے کی بجائے دھکے دے کے تھانے سے باہر نکال دیا۔ مقتول کی والدہ کا بیان (ایک خبر)

آئی جی صاحب وہ دن بھی یاد کرو جب تمہیں دھکے دے کر خدا کی بارگاہ سے نکال دیا جائے گا۔

-- ایس کے سنگھ اور ایس کے محمود میرے جانی دشمن ہیں۔ (شیخ رشید احمد)

دونوں رگڑے دونوں جھگڑے
کچے پکے راگ ہیں دونوں
دونوں لگڑے دونوں بگڑے
کالے کالے ناگ ہیں دونوں

-- فحش اور عریاں عید کارڈوں کی فروخت پر شہریوں کا احتجاج (ایک خبر)

مغربی تہذیب کے ایجنٹوں نے بے شرمی کی حد کر دی۔

-- قیمتوں میں اضافہ قومی مفاد میں کیا گیا ہے (وی اے جعفری)

اچھا! وزراء کے اللے تللوں کا دوسرا نام قومی مفاد ہے۔

-- لیاقت علی کو مسلم لیگیوں نے مارا تھا۔ (ملک قاسم)

اور وہ آج پیپلز پارٹی میں شامل ہیں۔

-- عیسائیوں کی طرح ہندوؤں کے ثقافتی پروگرام بھی ٹی وی پر دکھائے جائیں گے۔(ایک خبر)

اک صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار کے پروگرام ٹی وی پر نہیں آسکتے کہ ٹی وی پر خبیثان عجم کا قبضہ ہے۔

-- یہ تو وہی ہے جسکا فائرنگ کرتے ہوئے نقاب اتر گیا تھا۔ روہڑی میں لوگوں نے صوبائی وزیر کے ساتھ تعزیت کے لیئے آنے والے کو پہچان لیا۔ (ایک خبر)

اور باقی نقاب پوشوں کے نقاب ہم اتاریں گے۔

-- ہم پاکستان کو تاج محل بنائیں گے۔ (بے نظیر)

بھائی نے کہا تھا کے ہم فیصل مسجد سے لے کر قائد اعظم کے مزار تک پاکستان کو بھسم کر دیں گے۔ بہن پاکستان کا مقبرہ بنائیں گی۔

-- نواز شریف کی داتا دربار پر حاضری۔ وہاں موجود لوگوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں (ایک خبر)

کیاان لوگوں میں وہ بھی موجود تھے۔ جن کے پھول جیسے بچے گولیوں سے چھلنی کئے جارہے ھیں۔

-- پی پی غریبوں کی پارٹی ہے۔ ہمارے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں کہ پیپلز پارٹی کے دفاتر بنا سکیں۔ (نصرت بھٹو)

ویسے پانی فرانس کا پیتے ہیں۔ صرف پچیس لاکھ کا باورچی خانہ اور دس ھزار ڈالر کا بیڈ بنوایا ہے۔

-- مسلح افواج اور حکومت ایک ہیں۔ (اعتزاز حسن)

بیساکھی اور لنگڑا ایک ہیں دو نہیں۔

-- ہڑتالوں جلوسوں اور مظاہروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔(بے نظیر)

پیسہ لگاؤ پیسہ۔ اسمبلیوں کے بکرے خریدو!

-- ہر طرف لوٹ مچی ہوئی ہے۔ تھانے ٹھیکے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ (چوہدری نذیر ایم این اے)

تھانے ہیں یا لٹیروں کے کمیشن آفس!

-- ایسا نظام رائج کیا جائے گا کہ عورت اور مرد کی تفریق ختم کر دی جائے گی۔ (نصرت بھٹو)

ہر ایک کو اپنی تصویر اچھی لگتی ہے۔

-- جرائم کے خاتمے کے ذمہ دار پولیس اہل کاروں کے خلاف کاروائی کی جائے۔(نواز شریف۔"جنگ" ١٧ اپریل ١٩٩٠ء)

خبر پھر پڑھئے اور روزنامہ جنگ کی رپورٹنگ کو داد دیجیئے

-- ہر دور میں ایک شیطان ہوتا ہے۔ شیطان شیطانی کرتا ہے۔ پیپلز پارٹی کے کارکن بھرپور مقابلہ کریں گے۔ (بینظیر)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

-- ملک میں سرکاری طور پر دو عیدیں منانے کا اعلان۔ عید جمعہ کو ہوگی۔ مرکزی رویت ہلال کمیٹی، عید جمعرات کو ہوگی۔ سرحد صوبائی کمیٹی۔ (ایک خبر)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ جمعرات کی عید صورتاً ہے یا حقیقتاً۔۔۔ جمعہ کی عید ظلی ہے یا بروزی؟

-- سچے اور درویش بے نظیر کے ساتھ ہیں۔ (راؤ سکندر)

دو بٹیرے تین مرغے چار تیتر پانچ مور
نن و کن دونوں ہی جڑواں بھائی لیکن بے لوب

لاڑکانہ کی وڈیری کی سیاسی پالیاں
لن رذیلوں کا سیاسی مشغلہ دلالیاں

-- شاہراہ قائداعظم پر ورکشاپ میں ۲۰ سالہ طالب علم کو ذبح کر دیا گیا۔ (ایک خبر)

کیا حکمران سمجھتے ہیں کہ سنگینوں کے سائے انہیں خدا کے عذاب سے بچا لیں گے؟

-- شیر افگن چوہدری شجاعت سے پہلے میرے ساتھ پنجہ لڑائیں۔ (لالیکا)

پالتو شیر کو شجاعت سے کیا واسطہ؟

-- وزیراعظم نے احمد فراز کو لوک ورثہ کے قومی ادارے کا سربراہ بنا دیا۔ (ایک خبر)

سب رسولوں کی کتابیں طاق پہ رکھ دو فراز
نفرتوں کے یہ صحیفے عمر بھر دیکھے گا کون!

ایسی بکواسیات کے صلے میں مومنہ وزیراعظم کی طرف سے انعام و کرام!

-- ڈاکوؤں نے کہا "پولیس کو مت بتانا" پولیس نے کہا "اخبار والوں کو مت بتانا" گھر لٹا ۲۶ فروری کو۔ مقدمہ ۷ مارچ کو درج ہوا (ایک خبر)

خدایا! یہ ظالم لٹیرے کب تک مسلط رہیں گے!

-- دشمن ہماری صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ (جنرل اسلم بیگ)

یہی کہ پاکستان میں کوئی مرد نہیں۔ یہاں زنانہ حکومت ہے۔

ساری دنیا میں حکومت جو زنانی ہوتی
عالمی جنگ جو ہوتی تو زبانی ہوتی

-- یاسر عرفات کے پاکستان آنے پر پابندی لگائی جائے (لاہور ہائی کورٹ اور ڈسٹرکٹ بار)

کیا وزیراعظم کا کوئی بھائی بھی پاکستان نہیں آسکتا؟

-- پنجاب نے اپنے بجٹ سے دو ارب سے زیادہ خرچ کر دیئے جس کی وجہ سے قیمتیں بڑھائی گئیں۔ (بے نظر)

کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

-- خالی خزانے سے ایک شخص کی برسی کے لئے اشتہار چھپوائے جا رہے ہیں۔ (الطاف حسین)

"حلوائی کی دوکان پر دادا جی کا فاتحہ"

-- بیگم نصرت بھٹو نے میرے خلاف نازیبا زبان استعمال کی۔ (شیخ رشید)

برتن کے اندر سے وہی کچھ باہر آتا ہے جو کچھ اسکے اندر ہو۔ (ایرانی کہاوت)

-- مخدوم خاندان کی وفاداریاں پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔ (طالب المولیٰ)

طالب المولیٰ ---- پے گیا رولا

-- رمضان المبارک کے دوران روزنامہ جنگ کی خصوصی تقریبات - وجد کی رات - بزم قوالی - حاجی غلام فرید ، مقبول صابری (ایک اشتہار)

اک عاجزانہ سی گذارش ہے کہ خلیل الرحمٰن

ماہ رمضان میں یہ بے رنگ تماشہ نہ کریں !

ساز و آواز کو اسلام سے کیا نسبت ہے ؟

اگر کوئی نسبت ہے تو افشا کریں اخفا نہ کریں

-- نجیب کی شہادت نے کارکنوں کو مزید جلا بخش دی ہے۔ (پی ایس ایف)

زنا، متعہ، منافقت، تقیہ، غنڈہ گردی، شہادت، واہ ری امامت!

-- پیپلز پارٹی ملک میں مساوات محمدی قائم کرے گی۔ (مختار اعوان)

اکھوں انی تے ناں نور بھری

-- حقیقی جمہوریت کے خاتمہ کیلئے وڈیرہ شاہی ختم کرنا ضروری ہے۔ (جنگ ۴ مئی ۱۹۹۰ء) (ملتان میں یوم مئی پر مزدور لیڈروں کا خطاب۔)

سرخی دوبارہ پڑھئے لوگ اس حقیقت کو کتابت کی غلطی کہتے ہیں۔

-- فیصل صالح حیات دستار بندی کے بعد سات روز تک یاد خداوندی میں مصروف رہیں گے۔

ایک چہرے پر کئی چہرے سجالیتے ہیں لوگ

-- محنت کش انتظار کریں انہیں بہت کچھ دیں گے (وزیر محنت اکبر لاسی)

معاف کرو لاسی تمہارے باپ نے محنت کشوں کو جو بارہ بارہ کلے دئے تھے وہ بھی واپس لے لیں۔

-- بے نظیر بھٹو دنیا کی خوبصورت ترین شخصیت ہیں (امریکی جریدہ "پیپلز")

جتھوں لنگ جاندی سوھنی۔ ٹٹ جاندے مان حسیناں دے

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

ہمارے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

ہم سائنس کے زمانے میں سانس لے رہے ہیں۔ اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ دُور کے ممالک قریب آتے جا رہے ہیں۔ اور ہمسایہ ملک دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ سائنس دانوں نے بے شک برق اور بھاپ سے چلنے والی قسم قسم کی چیزیں ایجاد کر کے انسان کے آرام کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ فریج، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، وی سی آر، موٹر کار، سکوٹر، ہوائی جہاز، کمپیوٹر۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان ہی سائنس دانوں کی ایجادات مہلکہ کہ جن کی تباہ کاریوں کے صلے میں حضرت انسان آج نالاں ہے۔ کہیں ریوالور چلا۔ اور کوئی بے گناہ مارا گیا اور کہیں کلاشن کوف نے انسانوں کے پرخچے اُڑا دیئے۔ جنگ کے دوران تباہ کن اسلحہ کے وحشیانہ نتائج جن کے پیشِ نظر سائنس کی قاتلانہ خُو سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ سائنٹفک دور نے بے شک قوتِ ثقل، روشنی، حرارت اور کئی دوسری تھیوریوں سے انسان کو مادی طور پر فائدہ پہنچایا۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ ناقابلِ تردید ہے کہ فائدے اور آرام کے مقابلے میں سائنس نے انسان کے لئے دُکھ زیادہ پیدا کئے ہیں ——— کہ :

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

علامہ اقبالؒ نے اسی نکتے کو کس واضح انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک باغ میں سے گزر رہا تھا، چند پرندے آپس میں کچھ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ "خداوند تعالیٰ نے انسان کو مقیّد پیدا کیا ہے ہماری طرح ہوا میں نہیں اُڑ سکتا۔ زمین پر رینگ کر چلنے پر پابند ہے۔"

علامہ کہتے ہیں میں نے اُسے جواب دیا۔ "دیکھتے نہیں۔ انسان نے کتنی بڑی بڑی ایجادات کی ہیں۔ اور یہ انسان ہی تو ہے جو ہوائی جہاز میں آسمان کی پہنائیوں کو پھلانگتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چاند میں اُتر چکا ہے"

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔ اس پر چھوٹے سے پرندے نے مجھ سے یہ بات کہی اور اُڑ گیا ؎

"تو کارِ زمین را نکو ساختی ٭ کہ با آسماں نیز پرداختی ——— ؟"

(تُو نے زمین پر امن و سکون قائم کر لیا ہے؟ جو چاند پر جا رہا ہے)

سینٹ جان جی اردن نے اپنے ون ایکٹ کھیل میں ایک سائنس دان (پروفیسر ہنری کوری) اور اُسکی بہن مسز میلڈمن کا ذکر کیا ہے ۔ مسز میلڈمن کا خاوند اور بیٹا دُوسری جنگِ عظیم میں ایک بم کی نذر ہو چکے ہیں ۔

پروفیسر ہنری کوری گھر کے ایک کمرے میں نئے بم کی تلاش کے لئے نت نئے تجربات میں مصروف رہتا ہے کہ جنگ کے وقت کو اور زیادہ کم کیا جا سکے ، انسانوں کو اور زیادہ تیزی سے قتل کیا جا سکے ۔ ———

——— آخر ایک دن پروفیسر ہنری کوری انتہائی خوشی کے ساتھ اپنی بہن کو بتاتا ہے کہ میں نے ایک ایسا بم ایجاد کیا ہے جو تھوڑے سے وقت میں بہت سے افراد کو ختم کر دے گا ۔ اُسکی بہن مسز میلڈمن اُسے کہتی ہے ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم دشمن کی بہت ساری عورتوں کو میری طرح بیوہ کر دو گے ، بہت سے بے گناہ بچے یتیم کر دو گے ۔ میں تمہارا یہ فارمولا زمین پر گرا دونگی " پروفیسر کوری ہنس کر کہتا ہے ۔ " یہ تو میرے دماغ میں محفوظ ہے ۔" اس پر میلڈمن اپنے سائنس دان بھائی کی لیبارٹری کا ایک تیز دھار آلہ لے کر ہنری کوری کو ختم کر دیتی ہے ۔ گویا وہ ایک سائنس دان سے اپنے خاوند اور بیٹے کی موت کا بدلہ لے لیتی ہے ۔

سائنس نے بے شک انسان کی سہولت کے لئے بہت ساری کامیابیاں حاصل کی ہیں ۔ مگر صرف مادی حد تک ۔ ان کے سماجی اور سیاسی مسائل حل کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا ۔ بلکہ اسلحے کی نئی نئی ایجادات سے مسائل کو اور زیادہ اُلجھایا ہے ۔ سائنس کے تحقیقی اُصول صرف اُس جگہ کام دے سکتے ہیں ، جہاں مشاہدہ اور پیمائش کی جا سکے ۔ اور ریاضی کے اُصولوں پر پرکھا جا سکے ۔ انسانی اقدار سے سائنس کا دُور کا واسطہ نہیں ، جرأت ، انصاف ، حوصلہ ، ہمدردی ، ایثار قربانی ، دوستی ، خلوص اور حب الوطنی جیسے جذبوں سے اسے کوئی سروکار نہیں ۔ حالانکہ یہ اقدار ایک اچھی سوسائٹی کے لئے لازمی ہیں ۔ جہاں تک مادی ترقی کا تعلق ہے بے شک انسان چاند کی تسخیر میں کامیاب ہو گیا ہے ۔ مگر دوسری طرف زمین کے اس خطے پر ایک مؤثر ، بین الاقوامی سوسائٹی بنانے میں ناکام رہا ہے ۔ روس اور امریکہ کی اسلحہ کی دوڑ نے انسانی معاشرے میں خوفناک حد تک بدامنی کو فروغ دیا ہے ۔ فلسطین ۔ لبنان ۔ کشمیر ویت نام ۔ بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) قبرص ۔ فلپائن کمپوچیا اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ آج کل کے نام نہاد مہذب شہری اور خوبصورت وحشی انسان نے آزادیٔ رائے ۔ جمہوریت ۔ سوشلزم ۔ مساوات ۔ انسانی حقوق کے نام پر انسان اور انسانیت کا گلا گھونٹنے میں کیا کردار

(بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

خطاب: سیّد عطاء المحسن بخاری

مرتب: محمد طاہر لدھیانوی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نگہبانِ شریعت ہیں

ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری نے جولائی ۱۹۸۹ء میں جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں شبانِ اہلِ سُنّت کے ایک اجتماع سے خطاب فرمایا تھا۔ اس کا ایک اہم اقتباس نذرِ قارئین ہے (ادارہ)

اسلام کے خلاف کفر ہر محاذ پر متحد ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دینی جماعتیں انتشار و افتراق کا شکار ہیں۔ کچھ علماء بیگم بے نظیر کے ساتھ ہیں اور کچھ نواز شریف کے ہم قدم ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک کے اندر سیاسی اسلامی قوت کے غلبہ کے لئے علماء کرام کیا رول ادا کر رہے ہیں؟ جمہوریت کے لئے کوشاں رہنما اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ اب تو ہر باشعور آدمی اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہے کہ جمہوریت ایک مستقل نظامِ ریاست ہے۔ جو اسلام کے نظامِ ریاست و حکومت کے سراسر خلاف ہے۔ ان دو نظاموں کو یکجا کرنا اسلام کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ جمہوریت "ظلم ہے اور اس کا قرآن و سُنّت اور اجماعِ صحابہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں اسلام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں کے صدقہ میں حاصل ہوا ہے۔ صحابۂ کرام رضی نے اپنی زندگیوں کا تمام حُسن اور دُنیا کی تمام راحتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر دینِ اسلام کے لیے قربان کر کے دنیا کے جابر و ظالم حکمرانوں کو زیر کیا اور اسلام کا پرچم بُلند کیا۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے وقت، مال اور جان کے ایثار کا مطالبہ کرتا ہے۔ اصحابِ رسول علیہم السّلام دینِ اسلام کے امین اور نبی علیہ السّلام کی سُنّت و شریعت کے نگہبان ہیں جب "اہلِ حق" ہونے کے دعویدار ہی صحابہ کرام خصوصاً سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بنائیں تو یہ اُن پر اللہ کے عذاب کی نشانی ہے۔ جو لوگ صحابہ کرام کو برحق اور معیارِ حق مانتے ہیں انہیں سیّدنا ابوسفیان سیّدنا امیر معاویہ، سیدنا یزید بن ابوسفیان، سیّدنا مغیرہ بن شعبہ، سیّدنا مروان بن حکم، سیّدنا نعمان بن بشیر، سیّدنا ولید بن عقبہ، سیّدنا عمرو بن عاص، سیّدنا عبداللہ بن عمر، سیّدنا عبداللہ بن عباس اور سیّدنا عبداللہ بن زبیر کی شخصیات فیصلوں اور رائے کا احترام کرنا ہوگا۔ اور اپنی دراز زبانوں کو لگام دینا

ہو گی ۔ جو نام نہاد محققین اِن کا احترام نہیں کرتے وہ ہمارے کچھ بھی نہیں لگتے بلکہ ہمارے کھلے دشمن ہیں مجلسِ احرارِ اسلام روزِ اوّل سے ہی عقیدہ ختم نبوت اور مقام و منصبِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لئے جد و جہد میں مصروف ہے ، ہم دیوبندی ، اہلِ حدیث اور بریلوی سب کے خادم ہیں اور اِن سب کو اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں یہ تینوں اہلِ سنت والجماعت میں شامل ہیں ، مگر ان میں سے جو بھی کسی صحابئ رسول پر تنقید کرے گا ہم اس کے خلاف بھرپور آواز بلند کریں گے اور ہم لوگوں کو بتائیں گے کہ یہ سبئی تبرائی ہے ، سیہ پوش کا ایجنٹ ہے ہم اہلِ سنت کے ساتھ اِس کا کوئی تعلق نہیں ۔

بقیہ از صہ ۶۴

ادا کیا ہے ـــــ اور ـــــ ؎

ترا خلیفہ کہاں تک لہو بہائے گا ؟ ٭ خدا سے پوچھ رہی ہے افغانستان کی جنگ

مندرجہ بالا حقائق و شواہد کی روشنی میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ آج کل کا تعلیم یافتہ مہذب شہری شکل و صورت میں آدمی مگر خواہشات میں بھیڑیا ، لیبارٹریوں میں سائنس دان مگر میدانوں میں جنگلی درندہ ، اپنے ہاتھ پاؤں سے انسان مگر روح بہیمی میں دُنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے ۔ وہ اپنی تجربہ گاہوں میں تو انسان کہلاتا ہے ، مگر اُسکی آج کی سائنسی ترقی کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چیتے کی کھال اُس کے چمڑے کی نرمی سے زیادہ حسین ہے اور بھیڑیئے کے پنجے اُس کے دُندانِ تبسّم سے زیادہ نیک ہیں ۔ شیر خون خوار ہے مگر غیروں کے لئے ، سانپ زہریلا ہے مگر دوسروں کے لئے ۔ مگر آج کا مہذّب انسان ، دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق جسے سائنٹیفک انسان کا نام دیا جاتا ہے ، اپنے ہی ہم جنسوں کا خُون بہاتا ہے ، اور اپنی ہی نوع کے لئے درندہ و خونخوار ہے کہ ؎

ہے دِل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات !

بقیہ از صہ ۳ محولہ بالا تجزیے اور اسلوبیاتی موازنے کے بعد اس بات کے خاصے شواہد سامنے آجاتے ہیں کہ مولانا آزاد کا بنیادی اور مرکزی اسلوب نگارش ترجمان القرآن میں کیونکر ظہور پذیر ہوا ہے اور ترجمان القرآن کے بعد کی تحریریں ، بہ شمول غبار خاطر کی نثر ، کس طرح اسی اسلوب کی توسیع کرتی ہیں ۔

بھکر
نمائندہ خصوصی

صحابۂ کرام کے خلاف بدزبانی کرنیوالوں سے رواداری نہیں کیجا سکتی

علماء جمہوری اداروں میں بات نہیں منوا سکتے تو مدرسوں میں واپس آجائیں:

جامعہ رشیدیہ میں سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کا خطاب

سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے جامعہ رشیدیہ بھکر میں سیرت صحابہ کرام کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام قرآن کریم کی رو سے معیار حق و صداقت ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا صحیح نمونہ ہیں لیکن انتہائی شرم کی بات ہے کہ مسلمانوں کے ملک پاکستان میں صحابۂ رسول کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ رافضی ایک محدود اقلیت ہونے کے باوجود ذرائع ابلاغ سے ان قدسی صفت انسانوں کے خلاف بدزبانی کر رہے ہیں لیکن اس سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جب اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی جائے تو زرپرست دین بیزار دانشور اور جمہوریت پسند طبقہ رواداری کی تلقین کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی زبان درازی برداشت نہیں کرتے لیکن عقیدہ و ایمان کے مسئلہ میں ان کا جذبۂ برداشت بے غیرتی کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ صحابۂ کرام آبروئے رسالت ہیں، ان کے خلاف بدزبانی کرنے والے کسی قسم کی رواداری کے مستحق نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی تینوں مسلمان ہیں ان میں گھسے ہوئے پیشہ وروں نے انتشار پیدا کیا اور بھائیوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مذہبی طبقہ داریت اور ڈیرہ داری کے تصور نے دین کی محنت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ نئی نسل کی مذہب سے دوری کے اصل مجرم وہ شیاطین ہیں جو علماء کا روپ دھار کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔ اور اس جنگ میں اپنے مفادات سمیٹ رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ مولانا حق نواز جھنگوی کی شہادت علماء کے باہمی انتشار کا نتیجہ ہے۔ خصوصاً مولانا کی شہادت کے بعد ان کی سیاسی جماعت کا رویہ افسوسناک ہے کہ انہوں نے اسمبلی میں اس حادثہ پر کوئی احتجاج نہیں کیا!

جمہوریت پسند علماء اگر اسمبلیوں میں اپنی بات نہیں منوا سکتے بلکہ بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تو وہ اپنے

مدارس میں واپس آجائیں۔

آپ نے کہا کہ اب علماء آہستہ آہستہ اس طرف آرہے ہیں کہ جمہوریت غیر اسلامی نظام ہے، جب کہ مجلس احرار اسلام گزشتہ بیس برس سے مسلسل اس نعرہ کو بلند کئے ہوئے ہے کہ جمہوریت اسلام کے متوازی نظام ہے جس کا مقصد بدمعاشوں، حرام خوروں اور قومی مجرموں کو معزز بنا کر اقتدار پر مسلط کرنا اور تمام اسلامی اسلامی اقدار کو پرفریب طریقوں سے ملیامیٹ کرنا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہمارے مسائل کا حل جمہوریت نہیں اسلام ہے۔ جو لوگ اب بھی اسے نفاذ اسلام کا ذریعہ سمجھتے ہیں انہیں ایک نہ ایک دن سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے اسلاف نے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کی رائے سے اختلاف کیا تھا لیکن مسلم لیگی اور ان کے حواری پچاس برس گزرنے کے باوجود ہمیں اور ہمارے اسلاف پر مسلسل تبرّیٰ کر رہے ہیں، حالانکہ وہ محض سیاسی اختلاف تھا جبکہ دینی معاملات میں یہی لوگ ہمیں رواداری کا درس دیتے ہوئے انتہا پسند ہونے کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ رواداری اور بے غیرتی دو الگ الگ چیزیں ہیں، عقائد و ایمان کے مسئلہ میں خاموشی بے غیرتی کا دوسرا نام ہے۔

آپ نے شہید ناموس صحابہ مولانا حق نواز جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ مولانا حق نواز جھنگوی علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا سید منظور الحسن ھمدانی، حکیم فیض عالم صدیقی اور دیگر علماء اہل سنت کے قاتلوں کو بے نقاب کرکے عبرتناک سزا دی جائے۔

دُعائے صحت

مجلس احرار اسلام ڈنڈہ شاہ بلاول (چکوال) کے مخلص کارکن جناب ہادی بخش دل کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔

احباب جماعت اور تمام قارئین کرام ان کی صحت یابی کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں اور دیگر تمام بیماروں کو شفاء عطا فرمائیں۔ (آمین)

اظہار تعزیت

مجلس احرار اسلام حاصل پور کے کارکن جناب چوہدری محمد اشرف صاحب کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں انتقال فرما گئیں

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، ادارہ نقیب ختم نبوت ان کے غم میں شریک ہے

احباب دعاء مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

میم الف۔ معاویہ
چیچہ وطنی۔

قادیانی نوجوان نے اسلام قبول کرلیا

اب میں عمر بھر مرزائیت کے خلاف جہاد کروں گا۔

مرکزی مسجد عثمانیہ میں حضرت مولانا سید عطاء المومن شاہ صاحب بخاری نے خطبۂ جمعۃ الوداع ارشاد فرمایا۔ اس موقع پر شاہ جی کے ہاتھ پر ایک مرزائی نوجوان محمود احمد نے قبول اسلام کا اعلان کیا۔ محمود احمد نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا، کافر، مرتد اور واجب القتل سمجھتا ہے۔ محمود احمد نے وضاحت کی کہ وہ لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوۃ کو مرتد سمجھتا ہے۔

نو مسلم محمود احمد نے نمائندہ نقیب ختم نبوۃ چیچاوطنی کو اپنے مرزائیت سے تائب ہونے کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا کہ ملک میں عام انتخابات کے موقع پر مرزا طاہر نے لندن سے تمام مرزائیوں کو حکم بھیجا کہ پیپلز پارٹی کو ووٹ دیں۔ مجھے پیپلز پارٹی سے طبعی نفرت تھی لہذا میرے دل میں شکوک و شبہات نے جنم لیا۔ اسی طرح میں ایک دفعہ غلہ منڈی کی مسجد میں چلا گیا وہاں تبلیغی جماعت کے احباب موجود تھے۔ انہوں نے مجھے دعوت تبلیغ دی۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیار محبت سے پیش آئے کہ میں مرزائیت سے نفرت اور اسلام سے محبت کرنے لگا۔ اسلام سے اسی محبت کی وجہ سے میں مولانا یار محمد صاحب (خطیب غلہ منڈی) کے پاس چلا گیا۔ ان سے سوال و جواب ہوتے رہے اور یہ سلسلہ چند دن چلتا رہا اس دوران میں اپنے گاؤں (۳۰-۱۱ ایل) گیا تو نماز پڑھنے کے لئے مرزائیوں کے مرزواڑے چلا گیا، وہاں ایک ماسٹر صاحب ملے انھوں نے پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں چیچاوطنی شہر میں کام کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تم کسی مولوی کے پاس بھی جاتے ہو میں نے کہا کہ ہاں اگر کوئی مولوی دین اسلام کی بات بتائے تو اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم مولویوں سے بچا کرو۔ آئندہ کسی مولوی کے پاس نہ جانا۔ محمود احمد نے بتایا اس موقعہ پر اس ماسٹر سے اور بھی بات چیت ہوتی رہی دوران گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ چھڑ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ کوئی ثبوت وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں قرآن پاک کے اندر دکھاتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنا قرآن پاک اٹھا لایا اس میں جب دیکھا تو واقعی اسی طرح تھا، جس طرح اس ماسٹر نے کہا۔ میں چپ ہو گیا۔ کیونکہ میں کوئی عالم تو تھا نہیں۔ گھر آ کر میں نے اپنی بیوی سے اس بات کا تذکرہ کیا تو اس نے قرآن پاک اٹھا کے دکھایا اس میں لکھا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ مرزائی اپنے ہم مذہب لوگوں کو تحریف شدہ قرآن پاک پڑھاتے ہیں۔ یہ دیکھنے کے بعد مجھے مرزائیت سے بہت نفرت ہو گئی اور میں سمجھنے لگا کہ مرزائی جھوٹے ہیں۔ مولانا یار محمد صاحب نے دوسری ملاقات میں مجھے دفتر احرار (چیچاوطنی) میں بھیج دیا، یہاں میری ملاقات مجاہد ختم نبوۃ جناب عبداللطیف خالد چیمہ صاحب سے ہوئی۔ ان سے تفصیل کے ساتھ ختم نبوۃ اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر بات چیت ہوئی۔ بعد میں وقتاً فوقتاً تقریباً دو ہفتے جناب چیمہ صاحب سے ملتا رہا۔ اس دوران مجھے مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری کی ایک کیسٹ سنائی گئی جس میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر بحث کی گئی

تھی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود کا پورا پول کھولا گیا تھا۔ ان ملاقاتوں سے میرا ذہن بتدریج پختہ ہوتا گیا اور یہ بات راسخ ہو گئی کہ مرزائی جھوٹے اور مرتد ہیں۔ ان کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں لہذا اب میں نے پورے شرح صدر کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

محمود احمد نے لمبی ملاقات کے دوران بتایا کہ اس کی بیوی مسلمان ہے۔ اسی طرح ان کے دادا سے اوپر تمام خاندان مسلمان تھا۔ لیکن جس چک میں ہم رہتے ہیں (۳۰۔ ۱۱ ایل) وہاں بڑے بااثر جاگیردار رہتے ہیں جنھوں نے میرے دادا کو ان کی معاشی مجبوریوں کی بنا پر مرزائی مذہب میں داخل کر لیا، یہ صرف کسی ایک فرد کے ساتھ ان کا معاملہ نہیں بلکہ ۳۰ چک کے اور بھی بہت سے افراد کو جاگیرداری نظام کے تحت مرزائی بنا رکھا ہے۔ محمود احمد نے بتایا کہ مرزائیوں نے وہاں ایک عبادت گاہ بھی قائم کر رکھی ہے، موصوف نے بتایا کہ جمعہ کو قبول اسلام کا اعلان کر کے جب میں اپنے گاؤں کی مسجد میں تراویح پڑھنے کے لئے گیا تو تمام مسلمان مجھے حیرت سے تکنے لگے۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

موصوف نے کہا کہ میں اب تہیہ کر چکا ہوں کہ اپنے علاقہ میں مرزائیت کے خلاف جدوجہد کروں گا اور لوگوں کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ کروں گا۔

محمود احمد کے مسلمان ہونے پر شہر کے تمام دینی، سیاسی، سماجی حلقوں نے مبارک باد پیش کی اور خوشی کا اظہار کیا۔ اور دوسرے دن محمود احمد نے مقامی مجسٹریٹ کی عدالت میں اپنے قبول اسلام پر قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بیان حلفیہ دائر کیا:۔

آگ کا کھیل

پٹرول، مٹی کے تیل، ڈیزل اور کھاد کی قیمتوں میں تازہ اضافے نے جو ستم ڈھایا ہے، اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وزیر مملکت برائے خزانہ نے اپنی بجٹ تقریر میں یقین دہانی کرائی تھی کہ موجودہ حکومت کوئی منی بجٹ پیش نہیں کرے گی لیکن اس کا وہی حشر ہوا جو پیپلز پارٹی کے انتخابی منشور کا ہو رہا ہے ــــ اب غریب آدمی مہنگائی کی چکی میں اس طرح پس رہا ہے کہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو چکی ہے، لیکن غریبوں کے نام نہاد حامی اور خود کو عوامی کہلانے والی حکومت عیش و عشرت میں مگن ہے۔

وزیر اعظم صاحبہ کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے کروڑوں روپے مالیت کا ایک بوئنگ طیارہ اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے، اس کی تزئین و آرائش پر بھی کروڑوں روپے صرف کر ڈالے گئے ہیں ــــ بلاول کے لیے بیڈ دس ہزار ڈالر میں آیا ہے، اس پر نصب کیے جانے والے ڈومیل لیمپ دو ہزار ڈالر کے ہیں، وزیر اعظم پینے کے لیے "ایویان" کا پانی فرانس سے منگواتی ہیں، اور اپنے بیٹے کو دھونے، پونچھنے اور نہلانے کے لیے بھی اسی کو استعمال کرتی ہیں ــــ جونیجو دورِ حکومت میں چھوٹی گاڑیاں استعمال کرنے کی مہم چلائی گئی تھی ــــ اور علامتی طور پر ہی سہی، پرانی بڑی گاڑیاں فروخت کر ڈالی گئی تھیں ــــ "عوامی حکومت" نے آتے ہی یہ پابندی ختم کر دی اب اس کے وزرائے کرام اور افسرانِ عالی شان ۱۶ سو سی سی یا اس سے بڑی گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ گاڑیاں نئی خریدی گئی ہیں، اور یوں ان پر بھی کروڑوں روپے خرچ ڈالے گئے ہیں ــــ مادرِ ملکہ نصرت بھٹو صاحبہ رولز رائس میں سفر کرتی ہیں ــــ اور یوں ملکی خزانے کو حلوائی کی دکان سمجھ لیا گیا ہے ــــ

ان بدمستیوں کو دیکھیے، اور پھر اس حوصلے کو دیکھئے کہ کھاد کی قیمت میں دوبارہ اضافہ کر کے، اسے ۴۸ نرخ بڑھا ڈالا گیا ہے، بجلی کے نرخوں میں ۳۰٪ اضافہ ہو چکا ہے ــــ امدادِ باہمی کے قرضے بند کر کے غریب کسانوں کی زندگی دوبھر کر ڈالی گئی ہے ــــ لوگ اگر احتجاج کے لیے سڑکوں پر نہ نکلیں تو کیا کریں ــــ وفاقی حکومت نے آگ کا جو کھیل شروع کیا ہے، اس میں خدا معلوم وہ اپنے ساتھ کس کس کو جلا ڈالے گی ــــ !!!

بشکریہ ہفت روزہ زندگی لاہور

سعید احمد آزاد
تاجوالہ ۔ شجاع آباد

مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا مشن جاری رہے گا

۲۲ فروری ۱۹۹۰ء سے لے کر تاحال ملک بھر میں شیر اسلام امیر عزیمت شہید ناموس صحابہ مولانا حقنواز جھنگوی کی المناک شہادت پر احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔ مولانا شہید مومنین اہل سنت کے ترجمان اور دلوں کی دھڑکن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد پورا ملک سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں ۱۳ اپریل بروز جمعۃ المبارک ایک عظیم الشان احتجاجی و تعزیتی جلسہ جامع مسجد نصیر الاسلام تاجے والہ (شجاع آباد) میں منعقد ہوا۔ جس کا اہتمام مجلس احرار اسلام اور بلوچ اسلامک ایجوکیشن سروس نے کیا تھا۔ پروگرام کے مطابق مدرسہ نصیر الاسلام میں نماز فجر کے بعد شہدائے ناموس صحابہ کے درجات کی بلندی کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔ قبل از نماز جمعہ، حضرت مولانا غلام یسین صدیقی مدظلہ کی صدارت میں قاری محمد زکریا کی تلاوت قرآن حکیم سے پہلی نشست کا آغاز ہوااس کے بعد شہید مولانا حق نواز کو منظوم خراج تحسین پیش کیا گیا۔ طالب علم رہنما قاری عبدالستار عابد نے شہید ناموس صحابہ مولانا حق نواز کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سنی طلباء کے منظم و متحد رہنے اور میدان عمل میں آنے کی ضرورت پر زور دیا۔ مولانا غلام اللہ خان مدظلہ نے کہا کہ توحید و ختم و نبوت اور صحابہ کرام کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ صحابہ کرام کے گستاخ کے لئے سزائے موت کا قانون بنایا جائے اور ان پر تبری کرنے والے خبیثان عجم کو قرار واقعی سزا دی جائے، ایسا تمام لٹریچر ضبط کیا جائے جس میں صحابہ کی اہانت کی گئی ہے۔

مجلس احرار اسلام کے کارکن اور بلوچ اسلامک ایجوکیشن سروس تاجے والہ کے ناظم محمد افضل خان احرار نے کہا کہ مولانا کی شہادت رافضیوں اور مشرکین عجم کی سازش ہے جنہوں نے جاگیرداروں کے ایماء پر مولانا کو شہید کیا ہے۔ کیوں کہ مولانا شہید نے دفاع صحابہ کا عزم کیا ہوا تھا اور وہ دشمنان صحابہ کے لئے مذہبی و سیاسی خطرہ تھے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ مولانا حق نواز کے اصل قاتلوں کو سزائے موت دی جائے اور اس سازش کو عوام کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ انہوں نے ہائی سکول جگووالہ میں سنی طلباء پر ہیڈ ماسٹر کے مظالم، مرزائی اور رافضی ٹیچروں کی کھلی بکواس کرنے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہیڈ ماسٹر نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو جلد اس کے تعاقب میں سنی عوام میدان میں آئیں گے۔

نماز جمعہ کے بعد دوسری نشست کا آغاز شعبہ تعلیم القرآن کے قائم مقام ناظم قاری صفدر حسین کی تلاوت سے ہوا۔ طلباء نے مل کر صحابہ کرام کو منظوم نذرانہ پیش کیا۔ مولانا حفیظ اللہ فاروقی مدظلہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ رافضیوں نے امیر عزیمت کو اس لئے شہید کیا کہ ان کا مشن پورا نہ ہوسکے لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ سنی نوجوان قائد کا مشن جاری رکھیں گے شہید قائد کے مشن کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سانحہ مرکزی اور صوبائی حکومت کی کمزوری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جمعیت طلباء اسلام جہانیاں کے رہنما حافظ محمد صفی اللہ ارشد نے کہا کہ مولانا نے علمائے اہلسنت کے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں اور شہادت کا اعلیٰ مقام پایا ہے۔ میرے قائد نے سنی نوجوان کے ذہن میں منکرین اصحاب رسول کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہید قائد کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ جلسہ سے مولانا نذیر احمد خاں، محبوب احمد خان اور دیگر طلباء نے خطاب کیا۔ مولانا غلام یسین صدیقی مدظلہ کے صدارتی خطبے اور دعا سے جلسہ اختتام کو پہنچا اور شہدائے ناموس صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔

راجہ مہدی علی خاں

چالیسواں

بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
کسی سے بھی رکھی نہ اس نے عداوت — کہ پیشہ تھا اس نوجواں کا شرافت
ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا — خدا اس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
نہ رو رو کے بے حال ہو اے دلہن تو — نہ کر اس سے قدر آہ! رنج و محن تو!
وہ جنت میں خوشیاں منائے گا مت رو — وہ حوروں سے دل لگائے گا مت رو
وہ آخر ہمیں بھی تو تھا جاں سے پیارا — مگر دے لیا ہم نے دل کو سہارا
نہ کر بین اتنا نہ رو اتنا پیاری — ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری
رضیہ ذرا گرم چاول تو لانا — ذکیہ ذرا ٹھنڈا پانی تو لانا
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
منگانا ذرا شوربا اور خالہ — بڑھانا ادھر کو ذرا یہ پیالہ
ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا — خدا اُس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
بڑا ہے پلاؤ میں گھی ڈالڈے کا — خدا تو ہی حافظ ہے میرے گلے کا
دلہن سے کہو آہ اتنا نہ روئے — بچاری نہ بے کار میں جان کھوئے
اری بوٹیاں تین سالن میں تیرے — یہ چھیچھڑا لکھا تھا مقدر میں میرے
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ — ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
دلہن گھر میں چورن اگر ہو تو لانا — نہیں تو ذرا کھاری بوتل منگانا

نہ کر بین اتنے نہ رو اتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری!

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ ـــ مجلس احرار اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب ـــ دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریک ختم نبوت** ہے۔

★ ـــ پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابر احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یہ تحریک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا ہم نے اُمت مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرون ملک دینی ادارے قائم کیے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ ـــ چوک تغلق روڈ ملتان ـــ

★ مدرسہ معمورہ ـــ دار بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ـــ ناگڑیاں ضلع گجرات ـــ

★ جامعہ ختم نبوت ـــ مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۹۶ ـــ

★ مدرسہ ختم نبوت ـــ سرگودھا روڈ ربوہ ـــ

★ دار العلوم ختم نبوت ـــ چیچہ وطنی۔ فون نمبر ۲۹۵۳ ـــ

★ مدرسہ ابوبکر صدیق ـــ ڈنگہ ضلع گجرات ـــ

★ یوکے ختم نبوت مشن ـــ (ہیڈ آفس) گلاسگو برطانیہ ـــ

یہ ادارے سرگرم عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے۔ مسجد احرار ملتان۔ مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر زمین کی خرید اور تعمیر نو۔ دفاتر کا قیام۔ بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام۔ پچاس کتابوں کی اشاعت ـــ یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہو گا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے ۔۔ آئیے آگے بڑھئے اور اجر کمائیے

سید عطاء المحسن بخاری مدیر مدارس التحفیظ والمساجد

دار بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان

ترسیل زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

Monthly

Phone : 72813

NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT

Regd. L. No. 8755

MULTAN

Vol. 1

No.

زیرِ تعمیر:

فون: ۷۲۸۱۳

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریک تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

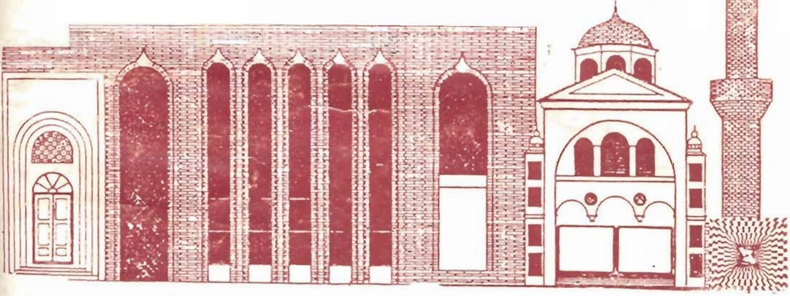

مسجد کی بنیادیں مکمل ہو چکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں — ترسیلِ زر کیلئے:

منتظم و متولی ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم ـ ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان